فروری ۱۹۸۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

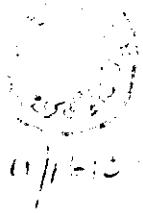

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سندھ کا مسئلہ

مرکزی مکتبۂ تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۶

شمارہ ۲

فروری ۱۹۸۷ء

مطابق

جمادی الاُخریٰ ۱۴۰۷ھ

زرِ سالانہ ۵۰ روپے

فی شمارہ ۵/- روپے

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

مینجنگ ایڈیٹر: اقتدار احمد

مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ فون ۸۵۲۶۸۳

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی، فون ۲۱۶۵۸۰

چودھری رشید احمد

مشمولات

• عرضِ احوال ——— ۴

اقتدار احمد

• استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ (۲) ——— ۹

تشخیص و علاج :

i) اصل سبب کیا ہے اور ذمہ دار کون ہے

ii) مستقل علاج اور فوری تدابیر

ضمیمہ :

i) دستور سازی کا مسئلہ اور مشرقی پاکستان

ii) بیان پریس کانفرنس

ڈاکٹر اسرار احمد

• خاتم النبیینؐ کا آخری تحریری ہدایت نامہ ——— ۵۷

مولانا وصی مظہر ندوی

• رفتارِ کار ——— ۶۵

لاہور میں تربیت اور توسیع دعوت کے نئے پروگرام

مرتب: چودھری غلام محمد

• 'مسئلہ سندھ' اور قارئین ——— ۷۱

إِنْ شَاءَ اللّٰهُ الْعَزِیْز

امیر تنظیمِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

۸ تا ۱۹ فروری ۸۷ء

سندھ کا دورہ

کریں گے ——— جس کے دوران

۹ فروری بروز سوموار بعد نمازِ مغرب تاج محل ہوٹل میں

شامِ الہدیٰ کراچی

کی ماہانہ نشست میں درسِ قرآن دینگے

۱۰ تا ۱۴ فروری حیدر آباد میں قیام رہیگا — اور

وہیں سے آس پاس کے شہروں اور قصبوں میں آمدورفت رہے گی۔

۱۵ تا ۱۹ فروری سکھر میں قیام رہیگا — اور

اس کے گرد و نواح کا دورہ ہوگا!

رابطے کے لئے

حیدر آباد	شیخ عبدالقادر، حیدر آباد کاٹن اینڈ آئل ملز، فون: ۳۴۲۰۴، ۳۴۲۳۵، ۲۴۸۳۵ ؁
سکھر	نجیب صدیقی، سندھ جنرل اسٹور، شاہی بازار فون دکان: ۸۵۸۳۳ مکان: ۸۲۲۲۲ ؁

المعلن: میاں محمد نعیم، قیّم تنظیمِ اسلامی پاکستان

۶۷ - اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور (فون: ۳۰۵۱۱۰)

اقتدار احمد

عرضِ احوال

مسئلہ سندھ کا تجزیہ اور استحکامِ پاکستان سے اسکے تعلق پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا مقالہ شمارۂ زیرِ نظر میں مکمل ہو گیا ہے۔ اس کی اقساط مؤقر روزنامہ جنگ میں ابھی چل ہی رہی تھیں کہ قارئین کے خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ اور بعض خطوط تو اتنے مفصل اور طولانی تھے کہ بطورِ خود مضامین اور مقالے بنتے ہیں۔ انہیں سرسری نظر دیکھنے سے ہی اندازہ ہوا کہ اس مسئلے کے پہلو کتنے ہمہ جہتی ہیں اور لوگ کیا کچھ دلوں میں لئے پھرتے ہیں۔ ع ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

اس بات سے قطع نظر کہ مکتوب نگار نے ہمارے نقطۂ نظر سے اتفاق کیا ہے یا اختلاف، قابلِ ذکر اور توجہ طلب مراسلات میں سے چند کو اس شمارے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہماری محدود ضخامت اس سے زیادہ مواد فی الحال اپنے دامن میں سمیٹ ہی نہ سکتی تھی۔ ان مراسلات کی تدوین کے بعد ایک ٹریکٹ چھ صفحاتی فولڈر کی شکل میں سندھ کے بڑے شہروں بشمول کراچی میں زیرِ گردش پایا گیا ہے۔ عنوان ہے "جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! ہم مہاجروں کو معاف رکھیں۔ اب ہم سندھیوں کے ساتھ نہیں لڑیں گے۔" مصنف اور ناشر ہیں جناب لئیق احمد قریشی۔ سیکرٹری "انجمن تحفظ مہاجرین (حقیقی) سندھ"۔ ہم قریشی صاحب سے متعارف نہیں اور نہ ہی فولڈر پر ایسا کوئی سراغ چھوڑا گیا ہے جس سے اُن کا اتا پتا معلوم ہو سکے لیکن 'خط کا مضمون' واضح ہے۔ پنجاب کے باسی ہر گز نفرت کی اس شدت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو اُن کے قدیم سندھی ہی نہیں، جدید سندھی یعنی مہاجر بھائی بھی 'پنجابی' کے لئے رکھتے ہیں۔ یہاں تو ہر سمت رادی چین لکھتا ہے، کوئی ادھر توجہ نہیں دلاتا کہ ؎

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا کہتی ہے تجھکو خلقِ خُدا غائبانہ کیا

اس ٹریکٹ کے بعض مندرجات چونکا دینے والے ہیں۔ پنجاب پر فردِ جرم اتنی سنگین بھی ہو سکتی ہے! بعض الزامات تو اسی طور معلوم و معروف ہیں جیسے سابق مشرقی پاکستان میں ہمارے بھائیوں کی نوکِ زبان پر تھے اور انگلیوں پر گنے جاتے تھے لیکن چند حقائق جن کی صداقت ذہن کی سکرین سے محو تھی۔ اس ٹریکٹ نے گویا منکشف (FLASH) کئے ہیں۔ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ مرزائیت کا فقہ کا لم اور انکارِ حدیث کا فتنہ

یہیں سے اٹھا۔ عیسائیت کو جو توسیع اور فروغ اس صوبے میں ملا اس کا عشر عشیر بھی دوسرے صوبوں میں نہیں اور " پاکستان بھر میں کمیونزم کو پھیلانے والا بابائے کمیونزم فیض احمد فیض سندھی نہیں پنجابی تھا اور استادِ کمیونزم جناب سبطِ حسن صاحب بھی پنجابی تھے " وغیرہ گویا پنجاب سے کہا گیا ہے کہ ؎

اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست

دریں اثناء کراچی اور حیدرآباد میں ہنگاموں اور تشدد کا ایک دَور اور چلا اور اب کے اس صورتحال کا فوری سبب جو سانحہ بنا ہے اس کی تفصیلات رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہیں۔ اپنی دو جواں سال بیٹیوں کے ساتھ شادی کی تقریب سے واپس آتے ہوئے ایک ضعیف باپ سے نہ صرف اس کے جگر کے ٹکڑے چھین لئے گئے بلکہ اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑے ـــــ اور شاید یہی اس کے حق میں بہتر تھا۔ کیونکہ ان بچیوں پر جو کچھ بعد میں گذرا اس کے آثار دیکھنے کی تاب شاید ہی کوئی باپ لا سکتا ہو۔ قلم اس سانحے کی تفصیل پر بس اسی قدر چل سکتا ہے، اس سے زیادہ خامہ فرسائی کی تاب اور طاقت نہیں۔

صاف نظر آتا ہے کہ یہ بہیمیت ایک فردِ واحد کی کارستانی یا چند افراد کے مجرمانہ گٹھ جوڑ کا شاخسانہ نہیں۔ اس لئے کہ بڑے سے بڑے خونخوار مجرم بھی آدمیت کی حدود پھلانگتے آخر ایک مقام پر آ کر ٹھٹھک جاتے ہیں۔ یہ شقاوتِ قلبی یقیناً کسی بڑے گروہ کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے جس کے افراد کو ادنیٰ ترین اقدارِ انسانی کا پیرہن بھی چاک کر دینے کی خصوصی تربیت ملی اور جس کے پیشِ نظر چند افراد کی بے حرمتی اور جان لینا ہی نہیں بلکہ اہلِ کراچی کے درمیان پہلے سے موجود تناؤ کو ایک بار پھر ہولناک فسادات میں تبدیل کرنا تھا۔ اس گروہ کی شناخت کے بارے میں بہت سی گفتنی ناگفتنی باتیں گردش میں ہیں۔ حکومت کے کان اگر کھلے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے یہ باتیں نہ پہنچی ہوں۔ کسی بیرونی طاقت کے فرستادہ تخریب کاروں کے ملوث ہونے کا خدشہ تو سرکاری حلقے بھی بار بار اور برملا ظاہر کرتے ہیں لیکن اس کا نام ذمہ دار حکام کے لب پہ کیوں نہیں آتا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ؎

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

ایک دشمن تو سامنے ہے ہی، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور مہربان بھی دوستی کے پردے میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے اسی موقع کو غنیمت جانتا ہے۔

انتظامیہ اور پولیس اور بحیثیت مجموعی حکومت کے لمبے ہاتھوں کی نارسائی کا تماشا کراچی والوں

نے بچشمِ سر دیکھا ہے لیکن یہ تو مجرموں اور مفسدوں کے سامنے بے بسی کا مظاہرہ تھا، اب کھلی بغاوت اور سرکشی کے آگے گھٹنے ٹیکنے کا مرحلہ بھی آگیا ہے۔ کون قانون پسند شہری یہ تسلیم کرے گا کہ جی ایم سید کا طرزِ عمل اعلانِ بغاوت نہ تھا۔ گرفتاری دینے سے انکاری، 'سن' سے کراچی منتقل ہونے کے حکم کی خلاف ورزی اور پاکستان ـــ یعنی حکومت ہی نہیں خود ریاستِ پاکستان ـــ کو تسلیم نہ کرنے کے اعلان پہ بات ختم نہیں ہوگئی بلکہ فرائض کی ادائیگی کے لئے آنے والے مجسٹریٹ اور پولیس گارڈ کو اسلحے کی نمائش کر کے پسپائی پر مجبور کر دیا گیا۔ دفعہ ایک سو چوالیس کی ڈنکے کی چوٹ پہ خلاف ورزی کی گئی۔ مسلح گروہ پورے علاقے میں دندناتے پھرے اور 'سن' (ضلع دادو) میں جمع ہو کر "پیر و مرشد" کی چوراسیویں (۸۴) سالگرہ کے جشن کو وہ رونق بخشی کہ باید و شاید۔ "سندھو دیش" کا پرچم بلند ہوا اور اس کا قومی ترانہ بھی گایا گیا۔ عبدالحفیظ پیرزادہ اصطلاحاً "مفرور" ہیں لیکن وہاں وہ سٹیج پر موجود ہی نہ تھے، مقررین میں شامل ہوتے اور جو زہر افشانی انہوں نے فرمائی ہوگی اس کا اندازہ لگانے میں کسے مغالطہ ہوگا۔ اُن کا پنجابیوں کو یہ الٹی میٹم اخبارات میں بھی جلی سرخیوں کے تحت شائع ہوا کہ اپنے پیروں چل کر سندھ سے نکل جاؤ ورنہ دست بہ دگرے پا بہ دگرے باہر پھینک دیئے جاؤ گے۔ ایک اور مقررہ حمیدہ کھوڑو نے نوجوانوں کو بندوق چلانے کا اذنِ عام دیا۔ کہیئے بغاوت کیا کسی اور شے کا نام ہے۔ ؎

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

ہمیں اندیشہ ہے کہ اس صورتِ حال سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں قانون صرف امن پسند اور شریف شہریوں پہ دادِ حکمرانی دیتا ہے۔ اُسے اُن لوگوں سے تعرض کی اجازت نہیں جو بقول صدر جنرل محمد ضیاء الحق "مضبوط کِلّے" والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور دعا کرتے کہ یہ احساس عام نہ ہونے پائے۔ روزنامہ نوائے وقت نے ۱۹ جنوری کو اپنے ادارتی نوٹ میں اسی واقعے پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

> '' اِن بزرگوں (جی ایم سید اور غفار خاں وغیرہ) کی سرگرمیاں اور نظریات حکومت کے سامنے ہیں لیکن اِن کے سدباب کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ شاید اس وقت کا انتظار کیا جا رہا ہے جب حمیدہ کھوڑو کے ان الفاظ پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا کہ " نوجوانو! ہمت ہے تو بندوق چلاؤ، کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں"۔ معلوم نہیں حکومت اتنی کمزور کیوں واقع ہوگئی ہے۔ نظریاتی محاذ پہ یہ شکست خوردگی اور پست ہمتی چہ معنی دارد؟''

لیکن یہ شکست خوردگی اور پسپائی جس محاذ پر دکھائی گئی ہے کیا اُسے صرف نظریاتی کہنا کافی ہے؟ ۔ ہرگز نہیں۔ یہ محاذ انتظامی بھی ہے بلکہ یہاں ریاست کی سالمیت اور حکومت کا وقار زد پر ہے ۔

ہمارا معلوم و معروف موقف ہے کہ پاکستان میں رہنے والے لوگ قبائلی، نسلی، ثقافتی اور لسانی تحفظات کے باوجود ملّت کی وحدت میں گم ہو سکتے ہیں۔ گیسوئے ملّت کی تابداری بلکہ ایک اسلامی معاشرہ برپا کرنے کے لیے بھی یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ متذکرہ صدر تحفظات کو پامال ہی کیا جائے۔ انہیں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے پیمانوں سے ماپ کر صرف فالتو مواد کو تلف کیا جائیگا۔ ہمارے دین کا اس باب میں واضح فلسفہ یہ ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	اے لوگو ہم نے تمہیں ایک ہی مرد اور
مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَ	عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے
جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ	خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ
لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ	تمہیں آپس میں پہچان ہو بے شک
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ	زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے
اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝	نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ

پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے ۔

چنانچہ ہم نے کبھی اس طرزِ عمل کی وکالت نہیں کی کہ علاقائی زبانوں کو نظر انداز کیا جائے، رنگ برنگی تہذیبوں کو زبردستی ایک ہی رنگ میں رنگ دیا جائے۔ اور رہن سہن کے سب انداز ایک ہی سانچے میں ڈھال دیئے جائیں۔ تہذیبوں کی اس بوقلمونی میں بھی ایک حُسن ہے دلکشی ہے جب تک یہ دین کی مقرر کردہ حلال و حرام کی حدود سے متجاوز نہ ہو ۔

بہ ایں ہمہ چھٹی حس ہمیں خبردار کر رہی ہے کہ پنجاب سے اُٹھنے والی ایک نئی آواز عظیم خطرات کا پیش خیمہ ہے۔ سندھی زبان و ادب اور ثقافت کے تقدس کے نام سے شروع ہونے والی بے ضرر سی تحریک ہمارے غلط رویّے اور اپنی عاقبت نااندیشی کے باعث دیکھتے ہی دیکھتے دہاڑتی ہوئی عفریت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ کاش ہم ملّی معاملات میں بالعموم اور اپنے نظریات کے تحفظ کے معاملے میں بالخصوص "گربہ کشتن روزِ اوّل" کا طرزِ عمل اختیار کر سکتے ۔ ہماری برخود غلط رواداری نے یہ دن دکھائے ہیں اور ابھی تو پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ ـــــ یہاں کچھ لوگوں نے پنجابی ادب اور پنجاب کے تہذیبی ورثہ کا رونا روتے ہوئے فریاد کی لَے اتنی بلند کر لی ہے کہ اس کی طرف سے کان بند کر لینا

ہوش مندی نہیں ۔ پنجاب کی جن روایات کا احیاء مطلوب ہے اُن کا اوّلین نشان مہاراجہ رنجیت سنگھ علیہ ما علیہ کو بنا لیا گیا جبکہ درۂ خیبر سے دَر آنے والے ہمارے اسلاف غاصب قرار دیئے جا رہے ہیں۔ اِن لوگوں میں غیر معروف سے دانشوروں کے ساتھ ایک نام سب سے زیادہ توجہ کے لائق ہے۔ یہ صاحب خاصے بڑے صنعت کار خانوادے کے سربراہ اور مرزائیوں کی لاہوری شاخ سے تعلق رکھتے ہیں (واضح رہے کہ غیر مسلم قرار دیئے جانے کے بعد لاہوری اور قادیانی اب عصبیت جاہلیہ کے زیرِ اثر بنیانٌ مرصوص کی شکل اختیار کر گئے ہیں) ۔ مرزائیوں کو پنجاب بلکہ بھارتی پنجاب سے جو دلچسپی ہے وہ ڈھکی چھپی نہیں اور اس دلچسپی کی وجوہات اظہر من الشمس ہیں ۔ ان صاحب کا اور ان کے مخصوص گروہ کا پیسہ اور اثر و رسوخ ' پنجابیت ' کی کونپل کو سینچ کر تناور درخت نہیں تو ایک مضبوط پودا تو بنا ہی سکتا ہے ۔ یعنی ہم ' سندھو دیش ' کے بعد ' دیس پنجاب ' کی آفت سے دوچار ہوں گے ۔ یک نہ شُد دو شُد ۔ ہم حکومتِ وقت کے علاوہ ہر اس مسلمان سے جو ملک خداداد پاکستان کو اُس تعمیر کے دین کی نشاۃِ ثانیہ کے سلسلے میں ایک خُدائی تدبیر کا حصّہ سمجھتا ہے اپیل کریں گے کہ کان اور آنکھیں کھلی رکھیں ۔ ' سندھو دیش ' کی بات بھی راجہ داہر کو ہیرو اور محمد بن قاسمؒ کو غاصب قرار دینے سے شروع ہوئی تھی اور یہ کوئی صدیوں پُرانی بات نہیں کہ حافظے سے محو ہو جائے ، چند سال پہلے کا قصّہ ہے ۔

" پنجابیت " کے احیاء کی اس کوشش میں مرزائیوں کی شرکت ایک پُراسرار مثلث کو جنم دیتی ہے ۔ جس کا ایک ضلع اُن کے رُوحانی مرکز قادیان کا بھارت میں رہ جانا ، دوسرا سکھوں کے متبرک ترین مقامات کا پاکستانی پنجاب میں واقع ہونا اور تیسرا ضلع پنجابیت کی علامت کے طور پر رنجیت سنگھ کا انتخاب ہے ۔ تاہم ؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے ، لب پہ آ سکتا نہیں

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ جدید سندھی یعنی مہاجر پنجاب بھائی پنجاب پہ جو فردِ جرم عائد کرتے ہیں اس میں عیسائیت کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرنا بھی شامل ہے ۔ اس بات کا اعتراف بھی ہم کر چکے ہیں کہ سرسری سے اندازوں کے سوا ہمیں ـــــ اور عام مسلمانوں کو بھی ـــــ اس بارے میں صورتِ حال کی اُس گہرائی اور گیرائی کا شعور نہ تھا جو اچانک کُھل کر سامنے آئی ہے ۔ عجیب اتّفاق ہے کہ اُدھر کراچی سے یہ الزام آیا اور اِدھر لاہور میں اس کا عملی ثبوت فراہم ہو گیا ۔ پاکستان کی عیسائی اقلیت نہ صرف جائز اور قانونی حقوق سے متمتّع ہو رہی ہے بلکہ ایک طرح سے مراعات یافتہ طبقے میں شامل ہے جس کا مظہر

باقی ص ۹۳

استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ (۲)

تشخیص و علاج

اصل سبب کیا ہے اور ذمّہ دار کون ہے
مستقل علاج اور فوری تدابیر

ڈاکٹر اسرار احمد

اصل سبب کیا؟
اور ذمّہ دار کون؟

۹ر نومبر ۸۶ء کو مکّہ مکرّمہ میں راقم نے قلم اُٹھایا تو تھا "پاکستان میں اسلامی انقلاب: کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" کی تسوید کے لیے لیکن چونکہ اُن دنوں کراچی میں حالات بہت تشویشناک تھے اور جمعہ ۳۱ر اکتوبر کو مہاجر قومی موومنٹ کی بسوں پر سہراب گوٹھ کے علاقے میں فائرنگ سے کراچی اور حیدر آباد میں اردو اور پشتو بولنے والوں کے مابین جس خونی تصادم کا آغاز ہوا تھا اور حجاز جاتے ہوئے ۳ر نومبر کو کراچی میں ایک روزہ قیام کے دوران جو حالات سننے میں آئے تھے اور پاکستان کے اس "عروس البلاد" کو جس حال میں دیکھا تھا اس کا طبیعت پر بے حد اثر تھا، مزید برآں اُس سے متصلاً قبل صوبۂ سرحد کے حالات و واقعات، پھر پنجاب کے شیعہ سُنی فسادات اور کوئٹہ میں پٹھانوں اور بلوچوں کے مابین مسلح تصادم کی خبروں سے بھی دل بہت مغموم اور متفکر تھا، لہٰذا شہپ قلم نے بے اختیار پہلے تو "پاکستان کے عدم استحکام کی نئی جہتوں" کی جانب رُخ کیا اور اس کے بعد "مسئلہ سندھ" کی پیچ در پیچ گھاٹیوں کی طرف دَوڑ لگادی ——— اور چونکہ راقم کے یہ الفاظ کسی تکلّف یا تصنّع پر بلکہ اُس کے حقیقی اور واقعی احساسات پر مبنی ہیں کہ:-

"راقم کے اندازے کے مطابق آئندہ چند سال کے دوران میں نہ صرف یہ کہ پاکستان کی قسمت اور اس کے ضمن میں "TO BE OR NOT TO BE"

کا فیصلہ سرزمین سندھ میں ہوگا بلکہ خود سندھ کی سعادت و شقاوت کا آخری فیصلہ بھی ہو جائے گا کہ آیا برِّ عظیم پاک و ہند کا یہ اوّلین 'باب الاسلام' جو پہلی صدی ہجری کے اواخر میں صنم خانۂ ہند میں توحیدِ ربانی اور حریّت و اخوت و مساواتِ انسانی کے انقلاب آفریں پیغام کا 'مدخل' (یعنی داخل ہونے کی جگہ) بنا تھا، پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلام کا 'مخرج' بلکہ 'مدفن' بنتا ہے ۔۔۔۔۔ یا یہ قطعۂ ارضی ۔۔۔۔ اوّلاً پاکستان، پھر برِّعظیم پاک و ہند اور بالآخر پورے عالم انسانی میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور غلبۂ دینِ حق کے نقطۂ آغاز کی صورت اختیار کرتا ہے"!

لہٰذا سندھ کے مسئلے پر بات لمبی ہوتی چلی گئی۔ اور چونکہ راقم کے نہاں خانۂ قلب میں اس اُمید کا چراغ بھی روشن تھا کہ :۔

"کیا عجب کہ سندھ کے مسائل کا تجزیاتی مطالعہ پورے پاکستان کے مسائل کی پہچان کا ذریعہ بن جائے، اور ع 'روحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب' کے مصداق اس وقت سندھ جس بحرانی کیفیت سے دوچار ہے اور جس اضطراب اور کرب میں مبتلا ہے کیا عجب کہ وہ کسی نئے عہدِ سعادت کی ولادت کے درد کی لہریں (BIRTH PANGS) ثابت ہوں اور اللہ شر سے خیر برآمد فرما دے۔۔"

لہٰذا راقم نے مقدور بھر تجزیے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ـــــــ اس کے نتیجے میں جو کچھ اب تک رقم ہوا اُس نے "استحکامِ پاکستان" ہی کے ضمیمے یا تتمّے کی صورت اختیار کر لی اور اصل موضوع پر گفتگو کا تاحال آغاز بھی نہیں ہو سکا!

جس طرح آج سے چار سال قبل جنرل محمّد ضیاء الحق کے نام خط میں راقم نے سندھ کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا اسے مخالفین نے تو خللِ دماغی سے تعبیر کیا تھا، اور احباب نے بھی شدّتِ احساس کا مظہر قرار دیا تھا، (اگرچہ اس خط کی تحریر کے آٹھ دس ماہ کے اندر ہی سندھ میں ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران جو لاوا پھٹا تھا اس

نے راقم کے مشاہدات اور قیاسات کی پوری تصدیق کر دی تھی) بالکل اسی طرح اکثر و بیشتر لوگوں نے "استحکامِ پاکستان" کے آخری باب کے ان الفاظ کو بھی مبالغے پر مبنی قرار دیا کہ:

"ایک جانب ہمارے قومی و ملّی وجود کا موجودہ دینی و مذہبی، دستوری و سیاسی اور اخلاقی و عملی 'منظر' اور اس کا چالیس سالہ 'پس منظر' جو بظاہر شیکسپیئر کے الفاظ "TO BE OR NOT TO BE IS THE" کے سوالیہ نشان کے ساتھ ایک عقدۂ لاینحل کی صورت اختیار کر چکا ہے نتیجۃً ملک و ملّت بالکل اُس کیفیت میں نظر آرہے ہیں جس کا نقشہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ" وَكُنتُم عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" یعنی"تم لوگ آگ کے ایک گڑھے کے بالکل کنارے پر تھے"! اور بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ 'خاکم بدہن' مکمل تباہی ہمارا مقدر بن چکی ہے!"

اسی طرح راقم کی نومبر دسمبر ۸۶ء کی تحریروں کو بھی عوام ہی نہیں اچھے بھلے تعلیم یافتہ اور دانشور لوگوں نے بھی قنوطیت پر مبنی اور یاسیّت پسندی (PESSIMISM) کا مظہر قرار دیا ——— لیکن جو کچھ کراچی میں وسط دسمبر میں ہوا اُس نے ہر شخص کے اعصاب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے اور اس وقت ہر صاحبِ احساس و شعور انسان خائف اور پریشان نظر آرہا ہے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ اور اس کا آخری نتیجہ کیا نکلے گا؟

اِن چند دنوں کے دوران کتنی جانیں ضائع ہوئیں، کتنے لوگ اپاہج ہوئے، کتنے گھر اُجڑے، کتنے کنبے نیست و نابود ہوئے، کتنے سہاگ لٹے، کتنے معصوم یتیم ہوئے، کتنوں کی ضعیفی کے سہارے ختم ہوئے، کتنے مکان نذرِ آتش ہوئے، کتنی دکانیں جلیں، کتنے کارخانے تباہ ہوئے، کتنی گاڑیاں بھسم ہوئیں ——— اور ان سب سے بڑھ کر، ذہنوں میں کتنے فاصلے بڑھے، دلوں میں کتنی نئی نفرتوں نے جنم لیا، آتشِ غیظ و غضب کہاں تک پہنچی، اور انتقام در انتقام کا سلسلہ کتنا وسیع ہوا! اس کا صحیح اندازہ

مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے! ——— مختصر یہ کہ پاکستان میں مختلف النوع محرومیوں کے احساس کا سب سے بڑا مظہر اور سیاسی و معاشی، سماجی و معاشرتی، نسلی و لسانی اور تہذیبی و ثقافتی جملہ اقسام کے تصادموں کا سب سے بڑا مرکز سندھ بن گیا تھا، اور کراچی چونکہ سندھ ہی نہیں پورے پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے اور وہاں نسلی و لسانی 'اکائیاں' بالکل اُس کیفیت کے ساتھ باہم گڈمڈ اور گتھم گتھا ہیں جس کا نقشہ سورۂ کہف کے ان الفاظ مبارکہ میں سامنے آتا ہے کہ: "وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ" ترجمہ "اور ہم کھلا چھوڑ دیں گے انہیں اُس دن کہ موجوں کے مانند ایک دوسرے میں گھس جائیں"۔ لہٰذا محرومیوں اور مایوسیوں اور اُن کے پیچ در پیچ ردِعمل کا جو لاوا کئی سال سے اندر ہی اندر کھول رہا تھا وہ بالآخر پھٹا کراچی میں، اور نفرتوں اور عداوتوں کے اس بارُود میں آگ لگی۔ پاکستان کے اِس 'عروس البلاد' میں جو دیکھتے ہی دیکھتے بیروت کی صورت اختیار کر گیا، اور وہاں ہندوستان کے کونے کونے سے آکر آباد ہونے والے مہاجروں پر وہ قیامت ٹوٹی کہ ۱۹۷۱ء کے المیے کی صرف یاد ہی تازہ نہیں ہوئی بلکہ اس کا عملی اعادہ (ACTION REPLAY) بھی ہو گیا! اور قدرت کی ستم ظریفی یہ کہ سب کچھ اس شہر میں ہوا جسے مہاجرین اپنا سب سے بڑا گڑھ سمجھتے ہیں اور سب سے محفوظ مامَن (امن کی جگہ) بھی۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء کے لسانی فسادات کے بعد بہت سے مہاجر کنبے، بالخصوص آسودہ حال تاجر اندرون سندھ سے کراچی منتقل ہو گئے تھے، واحسرتا کہ آج زمانہ اُن سے بزبانِ حال و بالفاظ جگر یہ کہہ رہا ہے کہ:

آسودۂ ساحل تو ہے مگر شاید تجھے معلوم نہیں!!
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں، خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں

جیسا کہ عام معمول ہے، اب بہت سے 'پنڈت' جاگ جائینگے اور نہ صرف یہ کہ حالات و واقعات کی بھرپور عکاسی ہوگی اور رنج و غم کا اظہار ہوگا بلکہ ایک سے بڑھ کر ایک تبصرے اور تجزیئے بھی تحریر ہوں گے ——— لیکن اندیشہ ہے کہ اب بھی روایتی سطحیت اور ظاہر بینی ہی کا مظاہرہ ہوگا اور ساری توجہات فوری اسباب و عوامل ہی پر مرکوز ہو کر رہ جائیں

گی اور نہ گہرائی میں اُتر کر یہ دیکھنے کی کوشش ہو گی کہ اس صورتِ حال کا اصل سبب کیا ہے اور نہ اس پر غور ہو گا کہ اس کا اصل علاج اور مستقل حل کیا ہے ؟

اصل سبب!

ان سطور کا عاجز و ناچیز راقم پوری طرح مطمئن ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے اسی نعمت کی توفیق سے اپنی تالیف "استحکام پاکستان" میں اِس المیے کا اصل سبب عمرانیات کے مسلّمہ دلائل اور سیاسیات کے ناقابلِ تردید شواہد کے حوالے سے بھی بیان کر دیا ہے اور حکمتِ قرآنی کی محکم اساسات اور قانونِ خداوندی کے اٹل اصولوں کی روشنی میں بھی واضح کر دیا ہے۔

چنانچہ حسبِ ذیل حقائق عمرانیات و سیاسیات کے تفصیلی دلائل کے ساتھ مبرہن کیے جا چکے ہیں کہ :

(۱) اگرچہ پاکستان کا قیام کسی مثبت اور فعّال دینی جذبے کا مرہونِ منّت نہیں تھا بلکہ اصلاً برّعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی قومی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ لیکن چونکہ مسلمانانِ ہند کی قومیّت کی بنیاد سوائے دین و مذہب کے اور کوئی نہیں تھی لہٰذا پاکستان کی اساس بھی صرف اور صرف اسلام ہے!

(۲) اس تاریخی پس منظر سے قطع نظر، پاکستان کے بقاو استحکام کے لیے بھی نہ تاریخی تقدّس کا عامل موجود ہے، نہ ہی اُسے قدرتی اور محکم جغرافیائی حدود کا تحفّظ حاصل ہے، پھر کسی طاقتور قومی جذبے یا نیشنلزم کے لیے دنیا کی مروّجہ اساسات میں سے بھی کوئی ایسی اساس یہاں موجود نہیں جو کُل پاکستان سطح پر فعّال انداز میں بروئے کار آسکے۔ چنانچہ ملکی سطح پر یہاں نہ کوئی نسلی نیشنلزم موجود ہے نہ لسانی، رہی وطنی قومیّت تو وہ یہاں اس لیے قابلِ عمل نہیں کہ اُس کی کلّی نفی ہی کی بنیاد پر تو پاکستان کی تحریک چلائی گئی تھی ——— لہٰذا ع "کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو!" کے مصداق پاکستان کے بقاو استحکام کے لیے سوائے مذہبی جذبے کے کوئی اور سہارا موجود نہیں ہے!

(۳) لیکن اس ضمن میں اب وہ 'قومی مذہبیت' کفایت نہیں کر سکتی جو ہندو کے خوف کے باعث تقویت پاکر پاکستان کے قیام کا ذریعہ بن گئی تھی، بلکہ اب ایک ایسا فعّال اور متحرک دینی جذبہ درکار ہے جس کی جڑیں حقیقی ایمان ویقین اور اسلام کے ساتھ واقعی اور عملی وابستگی میں گہری اتری ہوئی ہوں۔

(۴) اور چونکہ قیام پاکستان کے بعد اس سمت میں کوئی مؤثر اور حقیقی و واقعی پیش رفت نہیں ہوئی۔ لہٰذا مسلم قومیّت کا جذبہ رفتہ رفتہ سرد پڑتا چلا گیا اور اس کی جگہ نسلی ولسانی قومیتوں اور علاقائی وصوبائی عصبیتوں نے لے لی۔ اور اب انہوں نے اتنی قوّت حاصل کر لی ہے اور اتنی شدّت پکڑ لی ہے کہ اُن کے مابین خونی تصادم تک کی نوبت آگئی ہے اور کم از کم وقتی طور پر پاکستان میں 'مسلم قومیّت' اس شعر کی مصداق کامل نظر آتی ہے کہ ؎

"دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میّت نہ ہو اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے!"

اور کم از کم بظاہر تو یہی نظر آتا ہے کہ اب پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے صرف کوئی 'معجزہ' ہی بچا سکتا ہے!

مزید برآں خالص حکمتِ قرآنی کی اساسات اور قوانین و نوامیس الٰہیہ کی بنا پر واضح کیا جا چکا ہے کہ:-

(۱) قیام پاکستان کا 'معجزہ' اس بنا پر ظہور میں آیا تھا کہ پورے برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پاکستان میں اُس کے دین کا بول بالا کریں گے اور اُس نظام عدلِ اجتماعی کو نافذ کریں گے جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے عطا فرمایا تھا اور جو بالفعل اور بہ تمام و کمال عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ کے دوران قائم رہا تھا۔

(۲) اس وعدے کی مسلسل خلاف ورزی کی ایک سزا جو سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۷۷ میں بیان شدہ سنّتِ الٰہی کے مطابق مسلمانانِ پاکستان کو ملی وہ اخلاق و کردار کا وہ شدید بحران اور نفاقِ عملی کا وہ ہمہ گیر تسلّط ہے جس سے ہم بحیثیت قوم دوچار ہیں۔ چنانچہ جھوٹ، خیانت، وعدہ خلافی اور ذرا سے اختلاف پر آپے سے باہر ہو جانے کے وہ چار اوصاف

پاکستان کے شہریوں کی عظیم اکثریت کے کردار کا جزو لاینفک بن گئے ہیں جو نفاق کی علامات کی حیثیت سے متعدد متفق علیہ احادیثِ نبویہؐ میں بیان ہوئے ہیں!

(۳) اس کی دوسری سزا وہ تشتت و انتشار یا 'نفاقِ باہمی' - اور فرقوں اور گروہوں اور قومیتوں اور عصبیتوں کا وہ تصادم ہے جس کا نقشہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۵ کے ان الفاظ مبارکہ میں کھینچا گیا ہے کہ: "اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ" ترجمہ: "یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے باہم ٹکرا دے اور تمہیں خود ایک دوسرے ہی کی جنگی قوت کا مزہ چکھائے!"

(۴) اس کی ایک انتہائی شدید اور ہولناک صورت ۱۹۷۱ء میں ظاہر ہوئی تھی جس کی بنا پر بھارت کو یہ جرأت ہوئی تھی کہ مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے اُسے مغربی پاکستان سے علیحدہ بھی کر دے اور اُسے 'بنگلہ دیش' میں تبدیل کر کے مسلم قومیت کے خاتمے کا اعلان کرے! تاہم مغربی پاکستان کی حد تک عذابِ خداوندی کا یہ کوڑا اُس سنّتِ الٰہی کا مظہر تھا جو قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے اور کمال اختصار کے ساتھ سورۂ سجدہ کی آیت نمبر ۲۱ میں وارد ہوئی ہے یعنی: "وَلَنُذِیْقَنَّھُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ" ترجمہ: "اور ہم انہیں آخری اور بڑے عذاب سے قبل نسبتاً چھوٹے عذاب کا مزہ لازماً چکھائیں گے، شاید کہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں!"

(۵) لیکن چونکہ ہم، مغربی پاکستان کے مسلمان، اس کے بعد بھی ہوش میں نہیں آئے اور ع "نہ تم بدلے، نہ ہم بدلے، نہ دل کی آرزو بدلی!" کے مصداق نہ ہماری انفرادی زندگیوں کے رنگ ڈھنگ میں کوئی فرق آیا نہ ہی قومی و اجتماعی سطح پر دین کی جانب کوئی فیصلہ کن پیش قدمی ہوئی لہٰذا اب بعینہٖ وہی صورتِ حال اس بچے کھچے پاکستان میں پیدا ہو چکی ہے اور گذشتہ دو تین ماہ کے دوران پنجاب کے شیعہ سُنی فسادات، کوئٹہ کے بلوچ پختون تصادم اور سب سے بڑھ کر کراچی اور حیدرآباد میں پشتو اور اردو بولنے والوں کے مابین خانہ جنگی کی صورت میں اس کی جو شدت ظاہر ہوئی ہے اُس کے پیش نظر اس وقت جو سب سے بڑی دعا کی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ خدا کرے کہ یہ واقعات و حوادث بھی سابقہ

تنبیہات کے مانند ایک 'تنبیہہ' ہی کی حیثیت رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ آخری تباہی والے 'عذاب اکبر' سے قبل اپنے خصوصی رحم وکرم کے طفیل ہمیں کچھ مزید مہلت عمل اور تلافی مافات کا ایک موقع عطا فرما دے! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ! (اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے!)

ذمّہ دار کون؟

آگے بڑھنے سے قبل ایک نظر اس سوال پر بھی ڈال لی جائے کہ ہمارے اس قومی المیے کی ذمّہ داری کس پر ہے؟

اس سلسلے کی اوّلین اور اہم ترین حقیقت تو یہ ہے کہ حکمتِ قرآنی کی رُو سے قوموں اور معاشروں پر جو اجتماعی مصائب نازل ہوتے ہیں وہ اُن کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۰ میں نہایت جامعیت واختصار کے ساتھ یہ قاعدۂ کلّیہ بیان ہوا ہے کہ "وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ" ترجمہ: "اور جو مصیبتیں بھی تم پر آتی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے طفیل آتی ہیں، اور تمہاری بہت سی بداعمالیوں سے تو اللہ درگذر بھی فرماتا رہتا ہے!" اور یہ بات تو قرآن حکیم میں بے شمار مرتبہ بیان ہوئی ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا —— چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری موجودہ زبوں حالی اور تشویشناک صورتِ حال ع "اے بادِ صبا! ایں ہمہ آوردۂ تست!" کے مصداق بالکلیہ ہماری اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اور اس وقت ہم پر سورۂ روم کی آیت نمبر ۴۱ کے یہ الفاظ صد فیصد منطبق ہوتے ہیں کہ "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ" ترجمہ: "لوگوں کے کرتوتوں کی بنا پر خشکی اور تری ہر جگہ فساد رونما ہو چکا ہے!" ——

اور جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے، حالات کے تیور اتنے خطرناک ہیں کہ فی الوقت تو جو سب سے بڑی تمنا کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس آیۂ مبارکہ کے آخری الفاظ بھی، جو سورۂ سجدہ کی محولہ بالا آیت نمبر ۲۱ کے مشابہ ہیں، یعنی: "لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ترجمہ: "تاکہ اللہ انہیں ان کے کچھ اعمال کا مزہ چکھائے، شاید کہ وہ (اپنی موجودہ روش سے) باز آجائیں" ہم پر صادق آجائیں اور موجودہ حالات آخری عذابِ ہلاکت کے آثار و مقدمات نہ ہوں بلکہ ایک تنبیہہ اور تازیانۂ عبرت کا کام کریں اور ہم ہوش میں آجائیں۔!

دوسری اہم حقیقت یہ پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ قوموں کے اجتماعی فساد کی ذمہ داری اگرچہ اصلاً تو پوری قوم پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہوتی ہے اور قوم کا کوئی فرد اس سے بالکلیہ بری الذمہ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ "فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے۔ نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف" کے مطابق جب قوموں پر عذاب آتا ہے تو وہ سورۂ انفال کی آیت نمبر ۲۵ میں وارد شدہ الفاظ "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً" ترجمہ: "اور ڈرو اُس عذاب سے جو خاص طور پر صرف ان ہی کو لپیٹ میں نہیں لے گا جنہوں نے بالفعل ظلم کیا ہوگا" کے مطابق گیہوں کے ساتھ گھُن بھی پس جاتا ہے ——— تاہم سورۂ نور میں واقعۂ افک کے ضمن میں جو اصول بیان ہوا ہے یعنی "لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" ترجمہ: "ان میں سے ہر ایک نے جو گناہ کمایا وہ اس کا ذمہ دار ہے، رہا وہ جس نے سب سے بڑی ذمہ داری کا بوجھ اپنے سر لیا تو اس کے لیے تو بہت بڑی سزا ہے" اس کے مطابق مختلف افراد، گروہوں اور طبقات کی ذمہ داری اُن کے مرتبہ و مقام، اہمیت و صلاحیت، اور اختیار و اقتدار کی نسبت سے کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ عوام الناس کے مقابلے میں کہیں زیادہ ذمہ داری ان لوگوں اور طبقوں پر عائد ہوتی ہے جو سیاسی حیثیت و اقتدار کے مالک یا علمی و دینی مرتبہ و وجاہت کے حامل ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے دین میں فساد و ابتری کا ذمہ دار سلاطین، علماء اور صوفیاء کو قرار دیا ہے:-

"وَمَا اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا"

یعنی دین میں بگاڑ عوام نہیں، بلکہ بدکردار بادشاہ، علماء سوء اور دنیا دار راہب و درویش

پیدا کرتے ہیں، (علامہ اقبال کا یہ خیال بھی غالباً اسی شعر سے مستعار ہے کہ ؎ باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری، اے کشتۂ ملّائی و سلطانی و پیری!)

اس اصول پر قیاس کرتے ہوئے، ہمارے قومی المیے کی سب سے بڑی ذمہ داری بھی سیاسی زعماء و قائدین، علماء کرام، اور صوفیائے عظام ہی پر عائد ہوتی ہے ——— اور ان میں سے بھی "وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ" کا مصداق ایک جانب وہ سیاسی جماعتیں قرار پائیں گی جنہوں نے اسلام کے نعرہ کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا اور دوسری جانب وہ دینی و مذہبی تنظیمیں جنہوں نے اپنی توانائیاں فرقہ وارانہ اختلافات کی آگ کو بھڑکانے میں صرف کیں یا اپنے ترک و اختیار، ردّ و قبول، تقدیم و تاخیر، اور تائید و مخالفت کے لیے اصل معیار خالص سیاسی مصلحتوں کو بنا لیا ———

علیٰ ہٰذا القیاس، ملک کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ذمہ داری بھی یکساں اور برابر نہیں بلکہ کم و بیش ہے ——— اور اس ضمن میں بنیادی اصول یہ ہوگا کہ جن لوگوں کا حصّہ قیام پاکستان کے سلسلے میں سب سے زیادہ تھا فطری اور منطقی طور پر وہی اس کی تعمیر و ترقی کے بھی سب سے بڑھ کر ذمہ دار تھے اور یہ ذمہ داری اصلاً اُن ہی کی تھی کہ وہ اس قافلۂ ملّی کو صحیح سمت میں رواں دواں رکھیں نہ کہ خود ہی ع "یہ صور پھونک کے تم سو گئے کہاں آخر؟" کے مصداق بن جائیں! ——— لہٰذا پاکستان کے استحکام اور یہاں اسلام کے نفاذ و قیام کے ضمن میں اُن کی کوتاہی اگر دوسروں کے برابر ہو تب بھی وہ سب سے بڑھ کر ذمہ دار اور قصوروار قرار پائیں گے!

اس اصول کے مطابق پاکستان کے المیے کی ذمہ داری موجودہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں پہلے سے آباد لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عائد ہوتی ہے اُن لوگوں پر جو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ترکِ وطن کر کے پاکستان آئے اور عرفِ عام میں 'مہاجر' کہلاتے ہیں، اس لیے کہ اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ عالمِ اسباب میں پاکستان کے قیام کے سب سے بڑے کریڈٹ کے مستحق بھی وہی ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ تحریک پاکستان اصلاً ہندوستان کے مسلم اقلیّت والے علاقوں ہی سے اُبھری تھی جہاں کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مزاج اور افتادِ طبع، اُن کے قلبی احساسات اور ذہنی رجحانات، اور اُن کے ارادوں اور منصوبوں کا علم ذاتی مشاہدے اور عملی تجربے کی بنا پر حاصل تھا، لہٰذا 'اکھنڈ بھارت' میں اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں سب سے بڑھ کر خوف اور خدشہ بھی اُن ہی کو لاحق تھا! عقل اور منطق کی رُو سے یہ صُورت مسلم اکثریت والے علاقوں میں ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صوبۂ سرحد اور بلوچستان میں، جہاں ہندو آٹے میں نمک کے مانند تھے، مسلم قومیت پر مبنی کسی تحریک کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا، چنانچہ سرحد میں آخر وقت تک کانگریس کی وزارت قائم رہی اور بلوچ سرداروں کی اکثریت نے بھی مجبوراً اور بادلِ ناخواستہ ہی پاکستان میں شمولیّت قبول کی تھی۔ اسی طرح پنجاب اور سندھ میں بھی ۳۷ء تک تو مسلم لیگ کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور دونوں صوبوں میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مشترک جماعتوں کا طوطی بول رہا تھا۔ یعنی پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کا سکہ رواں تھا اور سندھ میں سندھ یونائیٹڈ پارٹی ہی سب سے بڑی جماعت تھی۔ چنانچہ پنجاب میں ۱۷۵ کے ہاؤس میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کل دو ممبر کامیاب ہوئے تھے اور اُن میں سے بھی ایک فوراً دوسروں سے جاملا تھا ——— اور سندھ میں تو ۵۸ کے ہاؤس میں ایک بھی مسلم لیگی نہ تھا۔

الغرض، تحریک پاکستان بنیادی طور پر ہندوستان کے مسلم اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی تحریک تھی اور اکثریتی صوبوں کے مسلمان تو بعد میں ان کے معین و مددگار (یعنی 'انصار') بنے تھے، اور قیام پاکستان کا سہرا اصلاً ہندی مسلمانوں ہی کے سر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قیام پاکستان کے وقت بھی بے پناہ قربانیاں دینی پڑی تھیں ——— اور وہ آج تک بھی اسی ناقابل معافی جرم کی بنا پر بھارت میں ہندو اکثریت کے معتوب ہیں کہ اُن ہی نے 'بھارت ماتا' کے ٹکڑے کرائے تھے ——— لہٰذا ع "جن کے رُتبے ہیں سوا، ان کی سوا مشکل ہے"! کے مطابق قیامِ پاکستان کے مقاصد کی تکمیل اور اُس سمت میں فیصلہ کُن پیشقدمی کی ذمّہ داری بھی سب سے بڑھ کر ان ہی لوگوں پر عائد ہوتی تھی جنہوں نے اقلیتی

صوبوں سے ترکِ وطن کر کے پاکستان میں سکونت اختیار کی ــــــ اور اُن میں سے بھی خاص طور پر وہ جن کی یہ ہجرت، جبری نہیں اختیاری تھی! اور راقم کو یقین ہے کہ ایسے لوگوں میں سے قدرِ قلیل کے سوا اکثر و بیشتر لوگوں کی یہ نقل مکانی اصلاً مال و دولت کے حصول اور دنیوی امنگوں کی تکمیل کے لیے نہیں تھی بلکہ قومی و ملّی جذبات اور ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ کے ولولہ و امنگ کی بنا پر تھی ــــــ پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اُن میں ایک بہت بڑی تعداد سرہند و سہارنپور، دیوبند و علی گڑھ، دہلی و اجمیر، لکھنؤ، اعظم گڑھ، فرنگی محل و رائے بریلی اور خیرآباد و عظیم آباد (پٹنہ) کی علمی، دینی اور روحانی وراثت کے حاملوں اور خاص طور پر تحریکِ شہیدینؒ کے جوشِ جہاد اور ذوقِ شہادت کے وارثوں پر مشتمل تھی!

اب اگر ان کی اکثریت بھی پاکستان آکر آزادی کے مادّی ثمرات ہی کو سمیٹنے میں منہمک ہوگئی اور انہوں نے کاروبار بھی چمکائے اور فیکٹریاں بھی تعمیر کیں، دولت بھی کمائی اور جائدادیں بھی بنائیں، عالی شان محل بھی تعمیر کیے اور دنیوی آسائشوں کے جملہ ساز و سامان بھی فراہم کیے لیکن نہ ملّت کی تعمیرِ نو کی جانب توجہ کی، نہ دین کے احیاء کی فکر کی، نہ سماجی انصاف اور سیاسی و معاشی عدل کے قیام کی جدّ و جہد کی، نہ ملکی سیاست کو صحتمند خطوط پر پروان چڑھانے میں مؤثر حصّہ لیا، نہ قافلۂ ملّی کو صحیح سمت میں رواں رکھنے میں فیصلہ کُن کردار ادا کیا ــــــ بلکہ اس کے برعکس جس کے پاس چار پیسے آگئے اُس نے اپنی سابقہ سماجی و معاشی روایات تک کو خیرباد کہہ کر مغربی تہذیب اور جدید طرزِ معاشرت کو اختیار کر لیا۔ تو محض یہ دلیل کہ ان امور میں مقامی لوگ یعنی پنجابی، سندھی، پٹھان اور بلوچ بھی تو اُن سے پیچھے نہیں اور اس حمام میں تو سب ہی ننگے ہیں، انہیں اپنی خصوصی اور اضافی ذمہ داری سے بری نہیں کرسکتی!

چنانچہ یہی بات تھی جو راقم کی ایک تقریر کے حوالے سے اخبارات میں شائع ہوگئی تھی جس پر 'مہاجرین' کی جانب سے 'ناراضگی' کا اظہار ہوا۔ حالانکہ میں گذشتہ کئی سالوں سے کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں اپنے دروس و خطابات کے دوران ع "نوا را تلخ ترمی زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی!" پر عمل کرتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ تلخ انداز میں کہتا رہا ہوں کہ مہاجرین ہی ہوش میں آئیں! ورنہ اگر پاکستان پر اپنے مقصدِ قیام سے انحراف کی بنا پر عذاب آیا

تو اُس کی شدید ترین صورت اُن مہاجرین ہی کے حصّے میں آئے گی۔ اور اسلامی عصبیت کے کمزور پڑنے سے سبب علاقائی اور لسانی قومیتوں کا سیلاب آئے گا تو اُس میں سب سے پہلے اُن کے گھروندے بہیں گے اور بالخصوص سندھی نیشنلزم کا جو طوفان تیزی سے اُٹھ رہا ہے وہ سب سر سے گزرا تو اس سے جو تباہی اُن پر آئے گی اُس کا اِس وقت تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا، مختصر یہ کہ وہ صورت بنے گی کہ ع "دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں!" ـــــ یہ دوسری بات ہے کہ "وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ" (سورۃ انبیاء: آیت ۱۰۹، ترجمہ "اور مجھے نہیں معلوم کہ جس عذاب کی خبر تمہیں دی جا رہی ہے وہ قریب ہی آن پہنچا ہے یا ابھی دُور ہے!") کے مصداق راقم کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اُس عذاب کی پہلی قسط اتنی جلد آجائے گی، اور وہ بھی مہاجرین کے گڑھ اور قلعے کراچی میں، مزید برآں انتہا پسند سندھی قوم پرستوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ کچھ اور لوگوں کے ذریعے!! چنانچہ راقم اس پر شدید صدمے کی کیفیت سے دوچار ہوا اور ۱۴ اور ۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کو راقم نے کراچی کو جس حال میں دیکھا اور وہاں ظلم و بربریت کی جو داستانیں سُننے میں آئیں اُن کے باعث لگ بھگ ایک ہفتہ راقم پر سکتہ سا طاری رہا! اور اب بھی اُس کے دل و دماغ سخت صدمہ محسوس کر رہے ہیں، اس لیے کہ ع "بدنصیب اقبالؔ کو بخشا گیا ماتم ترا!" کے مصداق بدقسمتی سے اُسے کسی قدر اندازہ ہے کہ معاملہ ہے "ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!" والا معاملہ، اور اگر حالات میں کوئی فوری اور انقلابی تبدیلی نہ آئی تو اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور ہولناک صورتیں سامنے آئیں گی! اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْ ذٰلِکَ۔

پاکستان میں پہلے سے آباد لوگوں میں سے میرے نزدیک اُس کی تعمیر و ترقی اور اس میں اسلامی اقدار کے احیاء اور اسلام کے نظامِ عدل و قسط کے قیام کی سب سے زیادہ ذمہ داری سندھی مسلمانوں پر تھی۔ اِس لیے کہ اوّلاً: پاکستان کے موجودہ صوبوں میں سے وہ واحد صوبہ جس میں قبل از تقسیم ہند مسلم لیگ کی حکومت قائم تھی سندھ ہی تھا۔ ثانیاً

سندھ ہی وہ واحد صوبہ ہے جو اپنی پوری صحیح و سالم صوبائی حدود اور ایک ایسے مکمل کلچرل یونٹ کی حیثیت سے پاکستان میں شامل ہوا جس کے لیے ملکی حدود سے باہر کوئی لسانی یا ثقافتی کشش (PULL) موجود نہ تھی۔ اس کے مقابلے میں پنجاب تقسیم کے دردناک صدمے سے دوچار ہوا، اور سرحد اور بلوچستان کے لیے زبان و قومیت کی زوردار کشش بیرونِ پاکستان موجود تھی، ثالثاً: پاکستان کے موجودہ صوبوں میں سے وہ واحد صوبہ بھی سندھ ہی تھا جہاں کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی ذہنیت کا کسی قدر اندازہ تھا۔ اس لیے کہ سرحد اور بلوچستان میں تو سرے سے ہندو مسلم مسئلہ موجود ہی نہیں تھا۔ پنجاب میں اُن عوامل کی بنا پر جن پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے انگریز نے مسلمانوں کو دبانے کی بجائے کسی نہ کسی درجے میں سہارا دیا اور اُن کی حوصلہ افزائی کی لہٰذا ہندو اُن کا زیادہ استحصال نہیں کر سکے جبکہ سندھ میں اُن اسباب کی بنا پر جن کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، انگریز نے بقیہ پورے ہندوستان اور بالخصوص بنگال کی طرح مسلمانوں کو شدت کے ساتھ دبایا اور اُن کے مقابلے میں ہندوؤں کی باقاعدہ سرپرستی کی۔ لہٰذا ہندوؤں کے ساہوکارانہ ہتھکنڈوں کا تلخ تجربہ سندھی مسلمانوں کو تھا اور اس اعتبار سے اُنہیں مہاجرین کے ساتھ ایک گونہ مشابہت حاصل تھی ——

رابعاً: یہ کہ تاریخی اعتبار سے یہ شرف تو پورے برِعظیم ہندو پاک میں صرف سندھ ہی کو حاصل ہے کہ اسلام کی قدیم ترین اور خالص عربی الاصل روایات نے وہاں گہری جڑیں جمائیں اور اگرچہ یہ سلسلہ مغربی پنجاب کے بھی ایک بہت بڑے حصے تک پھیل گیا تھا لیکن "الاقدم فالاقدم" کے اصول کے مطابق اس سلسلے میں فیصلہ کُن فضیلت سندھ کو حاصل ہے —— مزید برآں سندھ طویل ترین عرصے تک اسلامی علوم کا عظیم گہوارہ بنا رہا۔ چنانچہ ابتدائی دور میں یہ شرف زیادہ تر سندھ کے زیریں علاقے خصوصاً ٹھٹھہ شہر کو حاصل رہا جس میں ایک قدیم سفرنامے کی روایت کے مطابق ایک دور میں تین صد دارالعلوم قائم تھے۔ بعد کے زمانے میں اپر سندھ نے اس ضمن میں زیادہ اہمیت حاصل کر لی جہاں بڑے بڑے دینی و روحانی مراکز قائم رہے۔ چنانچہ فقیہ گھوٹکی نے شیخ محمد حیات سندھیؒ ایسا عظیم محدث پیدا کیا جس کے شاگردوں میں بارہویں صدی ہجری کے دو مجدد محمد ابن

عبدالوہاب نجدیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایسی عظیم شخصیتیں شامل ہیں۔ بعدازاں تحریک ولی اللہی کا بھی بہت بڑا مرکز سندھ بنا۔ نتیجتہً اس کے زیر اثر اٹھنے والی عظیم تحریکِ شہیدینؒ کے قافلے کی سندھ میں رانی پور اور پیر جو گوٹھ کے دینی و روحانی مراکز میں شایانِ شان پذیرائی بھی ہوئی اور پنجاب اور سرحد کو سکھوں کے تسلط سے نجات دلانے کے لیے یہ تقسیم کار بھی طے ہوئی کہ مجاہدینؒ کا قافلہ بلوچستان اور افغانستان ہوتا ہوا شمال مغربی جانب سے سکھوں پر حملہ کرے ـــــ اور سندھی مجاہدینؒ بہاول پور اور ڈیرہ غازی خان سے ہوتے ہوئے سکھوں کی سلطنت پر جنوب مغرب سے حملہ آور ہوں، ـــــ یہ دوسری بات ہے کہ کچھ خوانین سرحد کی غداری اور کچھ اپنی تدبیری غلطیوں کے باعث یہ جہاد پہلے ہی مرحلے میں دنیوی اعتبار سے ناکام ہو گیا۔ اگرچہ مجاہدینؒ نے جامِ شہادت کی صورت میں وہ سب سے بڑی کامیابی حاصل کر لی جس سے بڑی کامیابی کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ـــــ پھر یہ تو اسی صدی کا واقعہ ہے کہ حکمتِ ولی اللہی کا وہ عظیم شارح جس نے پنجاب کے ایک سکھ خاندان میں آنکھ کھولی تھی مشرف بہ اسلام ہو کر سندھ پہنچا تو اُسے وہاں کی فضا ایسی پسند آئی کہ وہیں کا ہو رہا اور اب دنیا اُسے جانتی ہی مولانا سندھیؒ کے نام سے ہے۔ ہماری مراد مولانا عبیداللہ سندھی سے ہے۔

الغرض ع "جن کے رتبے ہیں سوا اُن کی سوا مشکل ہے!" کا اصول مہاجرین کی طرح قدیم سندھی مسلمانوں پر بھی منطبق ہوتا ہے ـــــ اور اگر اس شاندار ماضی کے حامل صوبے میں دین و شریعت کا استہزاء ہو، اسلامی اقدار و شعائر کا مذاق اُڑے، لسانی و صوبائی عصبیت دینی و اسلامی عصبیت سے بالاتر ہو جائے، ملی وحدت پارہ پارہ ہو جائے اور اُس کی جگہ زبان اور کلچر کے نام پر ہندوؤں کے ساتھ متحدہ قومیت کا پرچار ہو ـــــ یا خالص مادی نظریات کو فروغ حاصل ہو اور نوجوانوں میں مارکس ازم اور کمیونزم جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہے ہوں، اور دین دار عناصر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور علماءِ کرام نہ صرف یہ کہ قال اللہ اور قال الرسولؐ ہی میں منہمک رہیں، بلکہ اپنی سادہ لوحی سے دشمنِ دین و ملت عناصر کی تقویت کا باعث بن جائیں تو جو ہلکی سے ہلکی بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ

جب آگ اور خون کا طوفان آئے گا تو قدیم سندھی مسلمان اور اُن کے دیندار عناصر بھی نہیں بچ سکیں گے! اور اگر خدانخواستہ پاکستان کو کچھ ہو گیا تو اُس کی ذمہ داری مہاجرین کے بعد سب سے زیادہ قدیم سندھی مسلمانوں ہی پر عائد ہو گی!

اِس کے برعکس اگر ع "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" کے مصداق مہاجرین بھی ہوش میں آجائیں اور قدیم سندھی مسلمان بھی، — اور ع "اپنی خودی پہچان! او غافل افغان!" کے مطابق اُنہیں اپنے اصل مرتبہ و مقام کا شعور اور اپنی خصوصی و اضافی ذمہ داری کا احساس ہو جائے اور ع "معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز!" کے مطابق احیاءِ اسلام اور اقامتِ دین کی جدّوجہد کے لیے کمر کس لیں تو جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' اِن شاء اللہ العزیز وہ "کَانُوْا اَحَقَّ بِہَا وَ اَھْلَہَا" کا مصداق بن سکتے ہیں! — بہرحال راقم الحروف صرف اپنے امکانی حد تک حقِ نصح و اخلاص ہی ادا کر سکتا ہے' بفحوائے الفاظِ قرآنی: اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ" — (سورہ ہود، آیت ۸۸، ترجمہ: "میں تو صرف اصلاح ہی کا طلبگار رہوں جس قدر بھی میرے امکان میں ہو اور مجھے توفیق تو اللہ کے سہارے ہی مل سکتی ہے!") — رہا فیصلہ تو وہ نئے اور پرانے سندھیوں کے ہاتھ میں ہے۔ بقول اقبال ع "فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے' دل یا شکم!" — البتہ راقم الحروف کے نزدیک ایک بات بالکل یقینی ہے کہ "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمْ وَ ھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ" (سورۃ انبیاء، آیت ۱، ترجمہ: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آن پہنچی ہے لیکن وہ غفلت ہی میں پڑے اعراض کر رہے ہیں") کے مصداق فیصلہ کن وقت آن پہنچا ہے اور مہلت بہت کم ہے!

اِس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ راقم کے نزدیک پنجاب، سرحد اور بلوچستان کی نہ کوئی ذمہ داری اور مسئولیت ہے نہ کوئی قصور یا کوتاہی' اُن کے بارے میں گفتگو ان شاء اللہ پھر کبھی ہو گی اِس لیے کہ اِس وقت ایک تو اصلاً مسئلہ سندھ زیرِ بحث ہے۔ دوسرے یہ حقیقت واقعۃً ناقابلِ تردید ہے کہ پاکستان کے خیر یا شر کی ذمہ داری کا بوجھ

بقیہ تینوں صوبوں کے لوگوں کے مقابلے میں نئے اور پرانے سندھیوں پر کہیں زیادہ ہے ـــ ورنہ جیسے "خورشیدِ درخشاں" کے مقابلے میں "ذرّۂ فانی" انتہائی حقیر اور ناچیز ہے۔ لیکن اپنی جگہ خود "ذرّۂ فانی" اتنی عظمت کا حامل ہے کہ بقول "لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں!" بالکل اسی طرح پاکستان کے بناؤ اور بگاڑ میں ایک جانب 'بڑے بھائی' کی حیثیت سے اور دوسری جانب اِس بنا پر کہ اس صدی کے عظیم ترین اسلامی مفکر، قافلۂ ملّی کے سب سے بڑے حُدی خواں اور پاکستان کے معتور و مجوّز علامہ اقبال کا تعلق پنجاب سے تھا پنجاب کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، اِسی طرح اِس اعتبار سے کہ صوبۂ سرحد تقریباً صد فی صد مسلمانوں ہی کی آبادی پر مشتمل ہے اور وہاں کے عوامی کلچر میں مذہب رچا بسا ہُوا ہے اور خاص طور پر اِس پہلو سے کہ اُس کے ذمّے تحریک شہیدین رحمہ کا قرض بھی واجب الادا ہے۔ سرحد کے مسلمانوں کے شانوں پر بھی عظیم ذمہ داری کا بوجھ ہے۔

مہاجر بھائیوں کو میں نے خود احتسابی کی جو ذراسی دعوت دی تھی اُس پر میرے لئے غیظ و غضب کے اظہار کیساتھ ساتھ یہ سوال بھی اُٹھایا گیا کہ یہ شخص خود کیا ہے؟ مہاجر یا مقامی؟ اور پنجابی یا ہندوستانی؟ اِس کے جواب میں اوّلاً تو پنجاب کے ایک درویش سائیں بلھے شاہ کا یہ عارفانہ مصرعہ پیشِ خدمت ہے کہ:

ع "بُلّھیا! کی جاناں میں کون!"

یعنی "اے بُلھے شاہ! مجھے کیا معلوم کہ میں (حقیقت میں) کون (یا کیا) ہوں!" اور پھر عرض ہے کہ راقم پنجابی بھی ہے اور ہندوستانی بھی، اِس لیے کہ اُس کی پیدائش بھی پنجاب کے ضلع حصار میں ہوئی تھی جو اب بھارت کے ہریانہ سٹیٹ میں شامل ہے اور وہیں اُس کی زندگی کے ابتدائی پندرہ سال گزرے تھے اور اُس کے بعد کے چالیس سال کا اکثر و بیشتر حصّہ تو پنجاب کے دل اور شہرِ اقبال لاہور میں بسر ہوا ہے، لیکن اُس کا خاندان (ننھیال اور ددھیال دونوں) کا تعلق یوپی کے ضلع مظفر نگر سے ہے جہاں

سے راقم کے پڑدادا حافظ شیخ نور اللہ مرحوم و مغفور کو ۱۸۵۷ء میں زیرِ عتاب آنے کے باعث نقلِ مکانی کرنی پڑی تھی ___ رہا مقامی اور مہاجر کا معاملہ تو اوّلاً تو راقم اِس پوری دنیا میں کسی انسان کو مقامی سمجھتا ہی نہیں یہاں تو سب مہاجر ہیں۔ اِس لیے کہ ہمارا اصل گھر تو 'دارالخلد' ہے جہاں سے ہمارا جبری انخلاء ہوا تھا ___ اور اب ہمارے "جہادِ زندگانی" کا اصل مقصد اپنے 'اصل مقام' کی بازیافت کے سوا کچھ نہیں! مزید برآں اگر اُس حدیثِ نبویؐ کو پیشِ نظر رکھا جائے جس کی رُو سے اِس سوال کے جواب میں کہ "اَیُّ الْھِجْرَۃِ اَفْضَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (یعنی "اے اللہ کے رسولؐ! سب سے افضل ہجرت کونسی ہے؟") نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اَنْ تَھْجُرَ مَا کَرِہَ رَبُّکَ" (یعنی یہ کہ تم ہر اُس چیز کو ترک کر دو جو اللہ کو ناپسند ہے) تو کم از کم ہر صاحبِ ایمان تو ہر دم حالتِ ہجرت ہی میں ہوتا ہے ___ تاہم اگر مہاجر کے پاکستان میں مروّجہ مفہوم کو پیشِ نظر رکھا جائے تو بھی راقم لاکھوں ہی نہیں کروڑوں مہاجروں سے زیادہ 'مہاجر' ہے۔ اِس لیے کہ وہ ہندوستان سے پاکستان استعارے یا محاورے کے طور پر نہیں حقیقتاً اور واقعتہً آگ اور خون کے دریا عبور کر کے آیا تھا۔ اور اُس نے اپنے خاندان کے ساتھ حصار سے سلیمانکی ہیڈ ورکس تک ایک سو ستر میل کا فاصلہ ایک پیدل قافلے کے ساتھ بیس دنوں میں طے کیا تھا اور لگ بھگ ایک ماہ تک حصار میں محصوری اور پھر اُس پُرخطر اور جاں گسل سفر کے دوران جس میں ہر وقت موت زندگی سے قریب تر محسوس ہوتی تھی، ایسے ایسے مصائب جھیلے اور سختیاں برداشت کیں جن کا اُن لوگوں کو تصوّر تک نہیں ہو سکتا جو آج پاکستان میں 'مہاجر کاز' کے چیمپئن بن گئے ہیں!

اِس کے ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہو گا کہ راقم کو لاہور اور پنجاب کی فضاؤں سے تو پیار ہے ہی اِس لیے کہ اُن میں اُس کی زندگی کے پورے چالیس سال گزرے ہیں، اور یہیں اُس کا گھر بار بھی ہے اور اُس کے تمام بہن بھائی بھی آباد ہیں۔ اور کُل کی کُل اولاد بھی ___ مزید برآں یہیں اُس کی بیس برس کی محنتِ شاقہ کا ایک محسوس

مشہود نتیجہ بھی 'قرآن اکیڈمی' کی صورت میں موجود ہے ـــــ لیکن واقعہ یہ ہے کہ کراچی بھی اُسے اپنا گھر ہی معلوم ہوتا ہے' ـــــ جہاں اُس کے بے شمار اعزّہ و اقارب بھی آباد ہیں اور ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی موجود ہے جو اسلامی انقلاب کی جدّوجہد کے لیے ابتدائی سرمایہ (STARTING CAPITAL) کا کام دے سکیں ـــــ پھر جب راقم کو سرحد کے اندرونی علاقوں میں جانے کا اتفاق ہُوا تو اُسے پٹھانوں کی سادہ معاشرت میں بڑی کشش محسوس ہوئی اور اُن کی غیرت و حمیّت پر رشک آیا۔ اور گذشتہ سال جب سندھ کے بعض اندرونی علاقوں میں جانے کا اتفاق ہُوا تو واقعہ یہ ہے کہ اُس نے بالکل ایسے محسوس کیا کہ ع" آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی!"

مزید برآں جب چند سال قبل اوّلاً دہلی اور علی گڑھ اور پھر دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن کے موقع پر یوپی کے دوآبے (ضلع مظفر نگر اور سہارنپور) میں جانا ہُوا تو وہاں کی فضا بھی بہت مانوس لگی تھی اور بالکل ایسے محسوس ہُوا تھا کہ" جا ایں جاست!" اور دوبار حیدرآباد دکن جانا ہُوا تو وہاں کے لوگوں کے خلوص و محبت اور دینی غیرت و حمیّت کی بنا پر دل نے یہ محسوس کیا تھا کہ جیسے یہ ہی اصلی وطن ہے! ـــــ اور یہ کہنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں ہے کہ جب حرمین شریفین کی جانب محوِ سفر ہوتا ہوں تو کیفیت بالکل وہی ہوتی ہے جو علامہ اقبال نے اپنے ان اشعار میں بیان فرمائی ہے کہ :

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم نوا خواں از سرورِ عاشقانہ
چوں آں مرغے کہ در صحرا سرِ شام کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ!

گویا راقم کی کیفیت اپنے فکری مرشد کے اِس شعر کے بالکل مطابق ہے کہ ؎

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا!

علاوہ ازیں ریکارڈ کی تکمیل کے لیے یہ بھی عرض کر دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ یوپی کے مذکورہ بالا دوآبے میں 'شیوخ' کی ایک وسیع و عریض برادری رہائش پذیر تھی جن میں عرب سے آئے ہوئے قرشی النسل لوگ اور مقامی آبادی کے نومسلم باہمی رشتوں میں بندھے اور بندھے ہوئے تھے، قرشیوں میں غالباً صدیقی سب سے زیادہ تھے، پھر عثمانی اور پھر

فاروقی ـــــ چنانچہ راقم الحروف کی والدہ صدیقی ہیں اور شیخ حیّان یمنی کی اولاد سے ہیں، جبکہ والد صاحب مرحوم و مغفور کے قول کے مطابق راقم کا ددھیال ہندی الاصل نومسلموں پر مشتمل ہے اور ہم نسلاً 'اگروال' ہیں جن کے بارے میں عام طور پر تو یہ مشہور ہے کہ یہ بنیوں کی گوت ہے لیکن مولانا عبدالقدوس ہاشمی مدظلہٗ ایسے عالم محقق کی رائے ہے کہ یہ اصلاً برہمن تھے لیکن انہیں کسی موقع پر کسی سبب سے برہمنوں نے "ذات باہر" کر دیا تھا۔ راقم الحروف کو بھی یہی رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، اِس لیے کہ میرے ددھیالی خاندان میں کاروبار یا دکانداری کا معاملہ دُور دُور تک نظر نہیں آتا اور ہمارے بزرگوں کا مشغلہ جہاں تک معلومات کام کرتی ہیں درس و تدریس و تعلیم اور تعلّم ہی تھا!ـــ گویا اِس اعتبار سے بھی راقم کو اُس "کافرِ ہندی" سے ایک گونہ نسبت حاصل ہے جس نے "ایک فلسفہ زدہ سیّد زادے" سے مخاطب ہو کر کہا تھا:

میں اصل کا خاص سومناتی آبا مرے لاتی و مناتی!
تُو سیّد ہاشمی کی اولاد میری کفِ خاک برہمن زاد

اور اگر یہ اطلاع نہ ملی ہوتی کہ جناب جی۔ ایم سیّد نے اپنی ایک حالیہ تصنیف میں اپنے ہاشمی ہونے سے انکار کیا ہے تو راقم اقبال کے مندرجہ بالا اشعار کو خود اُن کے مزید دو اشعار اور خاقانی کے دو شعروں کے ساتھ اُن کی خدمت میں پیش کرتا ـــ

تُو اپنی خودی اگر نہ کھوتا زنّاریِ برگساں نہ ہوتا
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز سُن لے مجھ سے یہ نکتۂ دل افروز

"دل در سخن محمّدی بند اے پورِ علی ز بُوعلی چند
چوں دیدۂ راہبیں نہ داری قائد قرشی بہ از بخاری!"

مُستقِل علاج اور فوری تدابیر

ہمارے قومی و ملّی عوارض کے اصل سبب کے مُعیّن ہو جانے کے بعد اس کے مستقل حل اور دائمی عِلاج کا تعیّن بھی خود بخود ہو جاتا ہے ——— یعنی ع ''علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی!'' کے مصداق ایک ایسا کامل، ہمہ گیر اور ہمہ جہتی اسلامی انقلاب جو ذہنیتوں اور نیتّوں کی تصحیح اور انفرادی اخلاق و اعمال کی اصلاح کے علاوہ دینِ حق کے اُس کامِل نظامِ عدل و قسط کو بالفعل قائم و نافذ کر دے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو نبی خاتم اور رسولِ کامل صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔

گویا ' اِستحکامِ پاکستان ' میں ہم مجموعی حیثیت سے قیامِ پاکستان کے تاریخی پس منظر اور اس کے محرّکات و عوامل کے تجزیئے اور اس کے بقا و اِستحکام کے تقاضوں کے تفصیلی جائزے کے بعد جس نتیجے تک پہنچے تھے، صوبۂ سندھ کے مخصوص مسائل و معاملات پر تفصیلی بحث کا حاصل بھی وہی ہے۔ لہٰذا ' اِستحکامِ پاکستان ' کے آخر میں راقم نے '' پاکستان کے بقا و اِستحکام کے لوازم '' کے عنوان سے جو کچھ عرض کیا تھا مناسب ہے کہ اُسے اُن ہی الفاظ میں دُہرا دیا جائے :

> '' اِس پس منظر میں ہر صاحبِ فہم و شعور انسان لامحالہ اسی نتیجے تک پہنچے گا کہ ملک و ملّت کے اِستحکام ہی نہیں بقا تک کے لئے حسبِ ذیل چیزیں ناگزیر اور لازمی ہیں :
>
> (۱) ایک ایسا طاقتور انسانی جذبہ جو جُملہ حیوانی جبلّتوں پر غالب آجائے اور قوم کے افراد میں کسی مقصد کے لئے تن مَن دَھن لگا دینے حتّٰی کہ جان تک قربان کر دینے کا مضبوط ارادہ اور قوی داعیہ پیدا کر دے۔
>
> (۲) ایک ایسا ہمہ گیر نظریہ جو افرادِ قوم کو ایک ایسے مضبوط ذہنی و فکری رشتے میں منسلک کر کے بُنیانِ مرصوص بنا دے جو رنگ، نسل، زبان اور

زمین کے تمام رشتوں پر حاوی ہو جائے اور اس طرح قومی یک جہتی اور ہم آہنگی کا ضامن بن جائے۔!

(۳) عام انسانی سطح پر اخلاق کی تعمیرِ نو جو صداقت، امانت، دیانت اور ایفاءِ عہد کی اساسات کو از سرِ نو مضبوط کر دے اور قومی و ملّی زندگی کو رشوت، خیانت، ملاوٹ، جھوٹ، فریب، ناانصافی، جانبداری، ناجائز اقربا پروری) اور وعدہ خلافی ایسی تباہ کن بیماریوں سے پاک کر دے۔

(۴) ایک ایسا نظامِ عدلِ اجتماعی (SYSTEM OF SOCIAL JUSTICE) جو مرد اور عورت، فرد اور ریاست، اور سرمایہ اور محنت کے مابین عدل و اعتدال اور قسط و انصاف اور فی الجملہ حقوق و فرائض کا صحیح و حسین توازن پیدا کر دے!

تحریکِ پاکستان کے تاریخی اور واقعاتی پس منظر، اور پاکستان میں بسنے والوں کی عظیم اکثریت کی فکری و جذباتی ساخت، دونوں کے اعتبار سے یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس ملک میں یہ تمام تقاضے صرف اور صرف دین و مذہب کے ذریعے، اور اسلام کے حوالے اور ناطے سے پورے کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ، جیسے، کہ ہم ناقابلِ تردید دلائل اور شواہد سے ثابت کر چکے ہیں، علامہ اقبال مرحوم کے حسبِ ذیل اشعار خواہ اس وقت دنیا کی کسی دوسری مسلمان قوم پر پورے طور پر صادق نہ آتے ہوں، ملّت اسلامیہ پاکستان کے ضمن میں صد فی صد درست، اور کمالِ صداقت و حقانیت کے مظہر ہیں کہ ؎

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اُن کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوّتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیّت تری

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیّت کہاں — اور جمعیّت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

لہٰذا ہم اُن تمام لوگوں کو جو پاکستان کی بقا اور سالمیّت کے دل سے خواہشمند ہوں دعوت دیتے ہیں کہ پوری دیانت داری کے ساتھ امکانی حد تک غور

کریں کہ آیا مندرجہ بالا پانچ اُمور پاکستان کی سالمیت اور استحکام کے لوازم ہیں یا نہیں ؟ اور آیا ان میں سے کوئی ایک تقاضا بھی اسلام کے سوا کسی اور نظریے یا نظام کے حوالے سے پُورا ہونے کا کوئی امکان ہے !! ؟ ''

چنانچہ ' استحکام پاکستان ' کا اختتام ان الفاظ پر ہوا تھا کہ :

'' ہماری اب تک کی کُل گذارشات کا لبِّ لباب اور حاصلِ کلام صرف یہ ایک جُملہ ہے کہ :

'' پاکستان کے استحکام کا واحد ذریعہ اسلامی انقلاب ہے ! ''

اور اسی پر ہم اس کتاب کو ختم کر رہے ہیں ۔

اس مرحلے پر ایک نہایت اہم اور بنیادی سوال یہ سامنے آتا ہے کہ وہ اسلامی انقلاب کیسے آئے گا ؟ اُس کے اساسی لوازم کیا ہیں ؟ بنیادی طریق کار کیا ہے ؟ ابتدائی مراحل کیا ہیں ! اور تکمیلی اقدامات کیا ہوں گے ؟ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اُن اُمور کی بھی تفصیلی وضاحت کی ضرورت ہے کہ اسلامی انقلاب سے مراد کیا ہے ! اور اس کے نتیجے میں جو سماجی ، معاشی اور سیاسی نظام وجود میں آئے گا اس کے اہم خدوخال کیا ہوں گے ؟

چنانچہ '' پاکستان میں اسلامی انقلاب : کیا اور کیسے ؟ '' کے موضوع پر راقم الحروف ان شاء اللہ جلد ہی اپنی دوسری تالیف کا آغاز کر دے گا ۔

وَمَا توفیقی اِلاَّ باللہِ العلی العظیم !! ''

راقم کی یہ تحریر ۱۷ فروری ۸۶ء کی ہے اور ان سطور کی تحریر کے وقت اس پر پورے سوا دس ماہ گذر چکے ہیں ۔ اور اصل موضوع پر گفتگو کا تاحال آغاز بھی نہیں ہوا ۔ راقم اس تاخیر پر نادم بھی ہے اور معذرت خواہ بھی ، لیکن ع '' ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا ! '' کے مصداق یہ تاخیر ویسے بھی بلا سبب نہ تھی اور خاص طور پر اس کے دوران ' مسئلہ سندھ ' پر جو تفصیلی گفتگو ہو گئی وہ نہایت اہم بھی ہے اور ' استحکامِ پاکستان ' سے براہِ راست متعلق بھی ! تاہم ان شاء اللہ العزیز اب بلا تاخیر براہِ راست اصل

موضوع پر گفتگو کا آغاز ہو جائے گا۔ لیکن اس سے قبل، اس طویل "جملہ معترضہ" کے آخری جزو کی حیثیت سے، آج کی صحبت میں پاکستان کے بقا کے بعض فوری اور لازمی تقاضوں کی جانب اشارہ مطلوب ہے!

اس سلسلے میں پہلے دو باتیں بطور تمہید ذہن نشین کرنی ضروری ہیں:

ایک یہ کہ جیسے افراد کے جسمانی امراض کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ اصل مرض اور اس کی ظاہری علامات بھی دو مختلف چیزیں ہیں، اور بنیادی بیماری اور ثانوی پیچیدگیوں کی بھی علیحدہ علیحدہ تشخیص و تعیین ضروری ہوتی ہے ـــــ اور بسا اوقات مرض کی بحرانی کیفیت یا مریض کی شدید تکلیف کے پیشِ نظر مرض کی تشخیص سے پہلے علامات و شکایات کے ازالے اور اصل مرض کے علاج سے قبل ثانوی پیچیدگیوں سے نبرد آزمائی ضروری ہو جاتی ہے ـــــ اسی طرح قوموں اور معاشروں کے اجتماعی عوارض کے ضمن میں بھی مستقل علاج کی فکر کے ساتھ ساتھ بحرانی کیفیات سے فوری طور پر نمٹنا ضروری ہوتا ہے اور اُن سے کُلّی صرفِ نظر "تا تریاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مُردہ شود" کے مطابق نہایت خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اگرچہ ع "تصوّر ملکوتی و جذبہ ہائے بلند!" کے مصداق "تصوّر پسندی" (IDEALISM) مفید اور مطلوب شے ہے، لیکن ایسی نری نظری تصوّریت جس کے ساتھ متناسب اور ہم وزن "واقعیت پسندی" (REALISM) موجود نہ ہو نہایت مہلک نتائج پیدا کر سکتی ہے اور جہاں ع "منزلِ ما کبریاست!" کے مصداق مطلوب و مقصود اعلیٰ سے اعلیٰ اور نصب العین بلند سے بلند تر معیّن کرنا ضروری ہے وہاں حقائق و واقعات کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی سخت عاقبت نااندیشی ہے۔ ـــــ چنانچہ ایسے لیڈر اور رہنما جو قوم کو ہواؤں ہی میں اڑائیں اور فضاؤں ہی کی سیر کرائیں لیکن نہ زمین پر قدم بقدم چلنا سکھائیں نہ "طبقاً عن طبقٍ" یعنی درجہ بدرجہ ترقی کے لئے محنت و مشقت کا عادی بنائیں وہ بالآخر قوم کو ایسے مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں وہ لامحالہ ع "جب آنکھ کھلی گُل کی تو موسم تھا خزاں کا!" کی کیفیت سے

دوچار ہو کر رہتی ہے!

الحمدللہ کہ پاکستان کا ہر باشعور شہری اس حقیقت سے واقف ہے کہ راقم کے نزدیک پاکستان کے جملہ قومی و ملّی عوارض کا اصل علاج اور ہمارے تمام مسائل کا مستقل حل بھی ایک مکمّل اسلامی انقلاب کے سوا اور کوئی نہیں ـــــ اور وہی از روئے دین و ایمان اس دنیا میں ہماری جدّوجہد کا آخری مطلوب اور ہمارے سفرِ حیات کی منزلِ مقصود بھی ہے ـــــ لیکن عمؔ " یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات "، کے مصداق جس بات کو عام لوگ ہی نہیں میرے بعض احباب اور بہی خواہ بھی سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ میرے نزدیک پاکستان کے موجودہ بحرانی حالات کے پیشِ نظر اس کی بقا کے لئے بعض فوری دستوری و سیاسی اقدامات بھی اتنے ہی اہم اور ناگزیر ہیں اور اگر اُن سے اعراض کیا گیا یا ان کے ضمن میں مسلسل تاخیر و تعویق سے کام لیا جاتا رہا تو شدید اندیشہ ہے کہ مستقبل قریب میں پاکستان کے مزید حصّے بخرے ہونے (BALKANISATION) کے عمل کو روکنا ناممکن ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ایک مشورہ راقم نے صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں اپنے دسمبر ۸۲ء والے خط میں بھی پیش کیا تھا جس کے ضمن میں تمہیداً عرض کیا تھا:

> " مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ میں معروف اور مروّجہ معنی میں ہرگز سیاسی آدمی نہیں اور میرے بیشتر اوقات اور تمام تر مساعی مستقبل کے اسلامی انقلاب کے لئے میدان ہموار کرنے کی غرض سے دعوتی و تبلیغی اور تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کے لئے وقف ہیں..... ساتھ ہی مجھے اس امر کا بھی یقین ہے کہ یہ حقیقت بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو سکتی کہ کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہو سکتا۔ بایں معنی کہ وہ ملک و ملّت کے حالات سے قطعاً بے خبر یا لاتعلق رہے اور قوم و وطن کی صلاح و فلاح یا ان کو درپیش خطرات و خدشات کے بارے میں سوچ بچار اور غور و فکر سے بھی کام نہ لے
>
> چنانچہ میں بھی اس ضمن میں اپنی امکانی حد تک حالات کا مشاہدہ بھی کھلی آنکھوں سے کرتا ہوں اور دوسروں سے تبادلۂ خیال بھی کھلے قلب و ذہن کے ساتھ

کرتا ہوں (اور اس سلسلے میں مجھے اپنے اُن دوروں اور سفروں سے بھی مدد ملتی ہے جو مجھے اپنی دعوتی و تبلیغی مساعی کے ضمن میں اندرونِ ملک یا بیرونِ وطن کرنے پڑتے ہیں) ـــــ اور پھر خود غور و فکر بھی کرتا ہوں اور اس کے نتیجے میں جو رائے بھی میری بنے، میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس کے مطابق مشورہ پورے نصح و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ عوام کو بھی دوں اور ان کو بھی جن کے ہاتھوں میں ملک و قوم کی زمام کار ہے۔ از روئے فرمانِ نبویؐ: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" یعنی "دین تو نام ہی نصح و اخلاص اور خیر خواہی اور وفاداری کا ہے"۔ اور جب پوچھا گیا: "لِمَنْ یَا رسول اللہ؟" یعنی "حضورؐ کس کے ساتھ؟" تو ارشاد ہوا: "لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ المسلمین وَعَامَّتِھِمْ" یعنی "اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اخلاص و وفاداری اور مسلمانوں کے اولی الامر اور عوام دونوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی۔"

فوری تدابیر

ملک و ملت کے ساتھ اسی نصح و اخلاص اور وفاداری و خیر خواہی کے جذبے سے مجبور ہو کر، اُن حضرات سے معذرت کے ساتھ جو مجھے سیاسی و دستوری مسائل میں رائے دینے کا اہل یا حقدار ہی نہیں سمجھتے یا اسے میری دینی سرگرمیوں اور مذہبی مشاغل کے منافی گردانتے ہیں، آج پھر قوم کے عوام اور اس کے سربرآوردہ لوگوں کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

راقم کے نزدیک قوم اور ملک کی کشتی کو موجودہ خوفناک بھنور سے نکالنے کے لئے جو فوری اقدامات لازمی و لابدی ہیں اُن کا اصل الاصول تو یہ ہے کہ عوام کو اُن کے سیاسی حقوق فی الفور لوٹا دیئے جائیں اور اس سلسلے میں جو ظاہری خطرات و خدشات نظر آتے ہیں اُن سے بالکل خائف نہ ہوا جائے۔ اس لئے کہ بصورتِ دیگر جو اندیشے ملک و ملت کے مستقبل کو لاحق ہیں وہ اُن سے کئی گنا زیادہ خوفناک ہیں! ـــــ اور دوسرا رہنما

اصول یہ ہے کہ اس حقیقتِ واقعی کو تسلیم کرتے ہوئے کہ اِس وقت پاکستان میں مسلم قومیّت کا جذبہ بہت کمزور پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں نے لے لی ہے، ملکی دستور میں علاقائی زبانوں اور ثقافتوں کے مناسب تحفّظ کی ضمانت دی جائے۔

فوری اقدام ممکن ہے

اس سلسلے میں اوّلاً اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ ہمارے مُلک میں حق تلفی اور ناانصافی صرف سیاسی سطح پر ہی نہیں ہے بلکہ سماجی اور معاشی سطح پر بھی ظلم و استحصال کا دور دَورہ ہے لیکن سماجی و معاشرتی اصلاح کے لئے بنیادی ذہنی و نفسیاتی تبدیلی لازمی ہوتی ہے اس لئے کہ معاشرتی اقدار کا گہرا تعلق فلسفۂ حیات سے ہوتا ہے اور جب تک اس میں بنیادی تبدیلی نہ آئے، ذات پات کی تفریق، اونچ نیچ کی تقسیم، اعلیٰ و ادنیٰ کے معیارات، سماجی رسومات اور بحیثیت مجموعی طرزِ معاشرت میں تبدیلی ممکن نہیں ہوتی ——— اسی طرح معاشی نظام کی تبدیلی بھی ایک کلّی اور ہمہ گیر انقلاب کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے کہ استحصالی طبقات آسانی کے ساتھ اپنے ناجائز مفادات سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں کہ کوئی ایسی تبدیلی نہ آنے پائے جس سے ان کے مفادات پر آنچ آسکتی ہو ——— ان کے مقابلہ میں سیاسی عدل و مساوات کے قیام اور جمہوری حقوق کی بحالی کے لئے کوئی ذہنی و فکری انقلاب بھی لازمی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ عین اس رُوحِ عصر (SIPIRIT OF THE AGE) کے مطابق ہے جو اس وقت پوری دنیا میں جاری و ساری ہے اور انقلابی تصادم بھی ناگزیر نہیں ہے اس لئے کہ کم از کم نظری طور پر اس کے ضمن میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے لہٰذا اس میں کسی تاخیر کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کم از کم بحالاتِ موجودہ اگر معدودے چند لوگوں کی نیّت درست ہو جائے اور وہ اپنی ذاتی انا کے مقابلے میں ملّت کی اجتماعی خودی اور ذاتی مفادات کے مقابلے میں ملک و قوم کی مصلحتوں کو ترجیح دینے پر آمادہ ہو جائیں تو یہ اقدام فی الفور ہو سکتا ہے!

جمہوری حقوق کی دو اہم مدّیں

ثانیاً یہ وضاحت بھی مفید ہے کہ کسی ملک کے باشندوں کے سیاسی و جمہوری حقوق کی دو مدّیں اہم اور بنیادی ہیں:

ایک یہ کہ ملک میں باہم مل جل کر رہنے کے اصول و ضوابط، جن کے مجموعے کو اصطلاح میں 'ملکی دستور' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان کی مرضی اور رائے سے طے ہوں اور اس میں کسی قسم کے جبر و اکراہ کو دخل نہ ہو ——— اور

دوسرے یہ کہ اس دستور کے مطابق حکومت کی تشکیل یا کسی ناپسندیدہ حکومت کی معزولی کا اختیار بالکلیہ ان کے ہاتھ میں ہو!

اور سب جانتے ہیں کہ ان دونوں ہی کے اعتبار سے پاکستان کے شہری گذشتہ چالیس سالوں کے دوران مسلسل محرومی اور حق تلفی کا شکار رہے ہیں۔ چنانچہ قیام پاکستان کے لگ بھگ دس برس کے بعد اور شدید محنت و کاوش سے اوائل ۱۹۵۶ء میں قوم کو ایک آئین کا تحفہ ملا ہی تھا کہ ع "اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے!" کے مصداق ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء نے اُسے منسوخ کر دیا اور فی الواقع اس غریب کو دن کی روشنی دیکھنی نصیب ہی نہیں ہوئی اِس لئے کہ اگرچہ نظری طور پر اس کی تنفیذ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو ہو گئی تھی لیکن اس کا بالفعل اجراء تو نئے انتخابات کے بعد ہی ہو سکتا تھا جن کی نوبت ہی نہیں آنے پائی! ——— اس کے بعد کہنے کو تو ۱۹۶۲ء میں بھی ایک آئین نافذ ہوا تھا لیکن اس کی تدوین میں عوام یا اُن کے نمائندوں کا جھوٹ موٹ کا بھی کوئی حصّہ نہیں تھا اور وہ کھلے بندوں مارشل لاء ہی کے بطن سے برآمد ہوا تھا ——— بعد ازاں پھر ایک طویل توڑ پھوڑ اور اکھیڑ پچھاڑ، جس میں سقوطِ مشرقی پاکستان کا حادثۂ فاجعہ بھی شامل ہے، کے بعد مسٹر بھٹو نے واقعتہً ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین پر "بچے کھچے پاکستان" کے باشندوں کے جملہ نمائندوں کا اتفاقِ رائے حاصل کر لیا ——— لیکن افسوس کہ اوّلاً خود انہوں نے اس کی رُوح کو پامال کیا ——— اور پھر ۱۹۷۷ء سے شروع ہونے والے مارشل لاء نے

پہلے اُسے جزواً معطّل کیا اور پھر اپنے اختیارِ حاکمانہ سے اس میں من مانی ترمیمیں بھی کر دیں۔ چنانچہ ۱۹۸۵ء میں وہ اپنی قلبِ ماہیت کے ساتھ از سرِ نو مارشل لاء ہی کی کوکھ سے برآمد ہوا۔ اور اگرچہ رسماً تو اُسے ۱۹۷۳ء کے ترمیم شدہ آئین ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے لیکن اکثر لوگ اُسے ۱۹۸۵ء کا آئین کہتے ہیں! اور اگرچہ اس کی توثیق ایک منتخب شدہ نیشنل اسمبلی کر چکی ہے لیکن چونکہ وہ اسمبلی خود اس ترمیم شدہ آئین ہی کے تحت وجود میں آئی اور اُس کے لئے جو انتخابات ہوئے ان سے سیاسی جماعتوں کے عمل دخل کو خارج رکھا گیا لہٰذا اُس کی نمائندہ حیثیت مسلّم نہیں ہے ـــــ الغرض اس وقت پاکستان پھر کسی ایسے آئین و دستور سے محروم ہے جو ملک کے باشندوں کی تائید یا قبولیت کا دعویٰ کر سکتا ہو۔

یہی معاملہ انتخابات کا رہا کہ اُن کی 'روایت' اس ملک میں قائم ہی نہیں ہونے دی گئی کہ عوام میں سیاسی شعور پروان چڑھ سکتا اور حکومتوں کی تشکیل یا معزولی معروف جمہوری خطوط پر ممکن ہوتی۔ اس کے برعکس یہاں جس کے ہاتھ میں جائز یا ناجائز طور پر ایک بار اقتدار آ گیا اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ صحیح یا غلط جس طور سے بھی ممکن ہو اس پر قبضہ برقرار رکھے، نتیجتہً پاکستان کی تاریخ 'دھماکوں' کی داستان بن گئی۔ اور ان تحریکوں سے قطع نظر جنہوں نے عوامی ایجی ٹیشن کے ذریعے 'دھماکے' کئے یہاں اگر کبھی مجبوراً انتخاب کرانے پڑے تو اُن سے بھی منفی نتائج ہی برآمد ہوئے اور انہوں نے بھی 'دھماکوں' ہی کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ پہلا دھماکہ 'جگتو فرنٹ' نے ۱۹۵۴ء میں مشرقی پاکستان میں کیا ـــ اور دوسرا دھماکہ ۱۹۷۰ء میں مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے کیا ـــــ اور چونکہ اس 'دھماکے' کے نتیجے میں ملک بھی دولخت ہو گیا لہٰذا اب بعض عام اور سادہ لوح پاکستانی "سانپ کا ڈسا رسّی سے بھی ڈرتا ہے" کے مطابق عام انتخابات کے نام سے بھی گھبراتے ہیں۔ اور اسی بنا پر کچھ ہوشیار لوگوں کو موقع مل گیا کہ نوّے دن کے اندر اندر انتخابات منعقد کرانے کے وعدے کو آٹھ برس تک ٹالے رکھیں!

بہرحال اب پاکستان کے حالات جو صورت اختیار کر چکے ہیں اور ہم آخری تباہی کے جس گڑھے کے عین کنارے تک پہنچ گئے ہیں اُس کے پیشِ نظر لازم ہے کہ متذکرہ بالا

دونوں حقوق کو فی الفور اور بالکل غیر مشروط طور پر عوام کے حوالے کیا جائے ـــــ اور ایک جانب ایسے عام انتخابات کا انعقاد جلد از جلد عمل میں لایا جائے جن میں حصہ لینے کے ضمن میں کسی پارٹی پر کوئی پابندی نہ ہو اور دوسری جانب ملکی دستور کے ضمن میں بھی اختلافات کے جس بکسے (PANDORAS BOX) کو خود جنرل محمد ضیاء الحق نے کھول دیا ہے اور جس کے بارے میں بعض انتہا پسند لوگوں نے بھی ایک متحدہ محاذ بنا لیا ہے، کھلی بحث و تمحیص کی پوری اجازت دی جائے اور آزادانہ اظہارِ خیال اور باہمی گفت و شنید کے ساتھ ملکی و قومی سطح پر اتفاقِ رائے حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے ـــــ اور ان سطور کے عاجز و ناچیز راقم کو یقین ہے کہ اگرچہ حالات بہت خراب ہو چکے ہیں تاہم ابھی وقت ہے کہ اگر فوری طور پر اس معاملے میں قوم کو فیصلے کی آزادی اور اختیار دے دیا جائے تو نتائج منفی نہیں مثبت ہی برآمد ہوں گے۔ لیکن اگر اس کے ضمن میں حسبِ سابق تاخیر و تعویق کی روش جاری رکھی گئی تو شاید جلد ہی وہ وقت آ جائے کہ جب یہ اقدام بھی ؎ "ہر چہ دانا کند، کند ناداں ۔ لیک بعد از خرابیٔ بسیار!" کے مصداق بالکل بے نتیجہ اور غیر مؤثر ہو جائے گا ـــــ معاذ اللہ!

لسانی قومیتوں کی مناسب حد تک پذیرائی

پاکستان میں بحالیٔ جمہوریت کے متذکرہ عمل ہی کے ایک جزو لاینفک کی حیثیت سے ملک و قوم کے حقیقی اور واقعی حالات کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ قوم کے بعض طبقات میں لسانی و ثقافتی عصبیتوں کے ضمن میں جو شدید حساسیّت (ALLERGY)، پائی جاتی ہے وہ اس پر نظرِ ثانی کریں ـــــ اور تصوّر پسندی کے بلند و بالا مقام سے ذرا نیچے اتر کر کسی قدر واقعیت پسندی کا ثبوت دیں ـــــ اور لسانی اور ثقافتی اکائیوں کو حقیقتِ واقعی کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہوئے اُن کے لئے ملکی دستور میں مناسب تحفظات کے لئے خود کو ذہناً تیار کریں۔

اس سلسلے میں ایک نہایت عمدہ مثال علامہ اقبال مرحوم کی موجود ہے ـــــ کون نہیں جانتا کہ اس صدی میں پورے عالمِ اسلام میں "وحدتِ ملی" کا اُن سے بڑا قائل و

داعی کوئی پیدا نہیں ہوا اور وہ آخر وقت تک اس اعلیٰ نصبُ العین کا پرچار کرتے رہے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر!

اور ؎ بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا — نہ ایرانی رہے باقی نہ افغانی نہ تورانی

لیکن یہی اقبالؔ جب اس آئیڈیل کے مقابلے میں دنیا میں موجود واقعی صورتِ حال پر نظر ڈالتا ہے تو اسے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا کہ فی الوقت دنیا میں کوئی ایک امّتِ مسلمہ موجود نہیں ہے بلکہ عملاً بہت سی مسلمان قومیں پائی جاتی ہیں۔ اور سردست اگر عالمی سطح پر مسلمان اقوام کا کوئی کامن ویلتھ (COMMON WEALTH) بھی قائم ہو جائے تو بہت بڑی کامیابی ہوگی ـــــ (اور حقیقتِ واقعی اتنی تلخ ہے کہ علامہ اقبال مرحوم کے انتقال کو نصف صدی بیت چکی ہے اور تاحال ایسے کسی ادارے کے قیام کے بھی کوئی آثار دُور دُور تک نظر نہیں آتے) ـــــ بالکل اسی طرح سرِ دست ہم اگر پاکستان میں، قومیتوں کے مجموعے، ہی کے لئے کوئی قابلِ قبول دستور اور لائحہ عمل تیار کر سکیں اور پھر اپنے عمل سے باہمی اعتماد کی فضا کو پروان چڑھائیں اور وحدتِ ملّی کی جانب پیش قدمی کریں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی ـــــ اس کے برعکس اگر جذباتی انداز میں قومیتوں کی نفیِ مطلق ہی پر اصرار رہا تو باہمی بے اعتمادی اور تشتّت و انتشار ہی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ اسلام قبائلی یا علاقائی عصبیتوں کی کُلّی نفی نہیں کرتا بلکہ عصبیتِ جاہلی کی نفی کرتا ہے یعنی جب یہ عصبیتیں اللہ اور رسولؐ کے احکام سے بھی بالاتر ہو جائیں تب اُن کی حیثیت معبودانِ باطل کی بن جاتی ہے ـــــ بالکل ایسے جیسے مال یا اولاد کی محبت اصلاً غلط نہیں ہے لیکن اگر یہ محبتیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے بھی بڑھ جائیں اور اُن کے احکام سے آزاد اور بالاتر ہو جائیں تو یہ بھی شرکِ عملی کے ذیل میں آجاتی ہیں ـــــ (چنانچہ اسی اصول پر قیاس کرتے ہوئے علامہ اقبالؔ نے اس دَور کے مروّج و مقبول نظریۂ وطنیت کو شرک سے تعبیر کیا تھا! اگرچہ حبِ الوطنی ہرگز غلط نہیں بلکہ مطلوب اور پسندیدہ شے ہے!)

ایک ظاہری تضاد اور اُس کا ازالہ

اس سلسلے میں راقم اس ظاہری تضاد کو بھی رفع کرنا چاہتا ہے جو بہت سے لوگوں کو اُس کی بعض آراء کے مابین نظر آتا ہے۔ یعنی یہ کہ ایک جانب راقم کا پختہ اور طے شدہ موقف یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام انتخابات کے ذریعے نہیں آسکتا بلکہ اس کے لئے ایک انقلاب لازمی ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ راقم نے خود اپنی ذات اور اپنی جماعت یعنی تنظیم اسلامی دونوں کے بارے میں یہ قطعی اور حتمی فیصلہ کیا ہوا ہے کہ ہم انتخابات میں کبھی حصہ نہیں لیں گے بلکہ اپنے تمام اوقات اور اپنی کل مساعی کو ایک ہمہ گیر اسلامی انقلاب کی تیاری کے لئے وقف رکھیں گے ـــــ لیکن دوسری جانب راقم اس قدر شدّ و مدّ اور یقین و اذعان کے ساتھ اس رائے کا حامل بھی ہے کہ ملک میں سیاسی عمل بہرصورت جاری رہنا چاہیئے اور جدید دنیا کی مسلّم روایات کے مطابق آزادانہ انتخابات کا سلسلہ کسی صورت میں بھی نہیں رکنا چاہیئے۔

یہ ظاہری تضاد ایک سادہ سی مثال سے بآسانی رفع ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جیسے ایک انسان کے مسلمان بننے کے تقاضے کچھ اور ہیں اور زندہ رہنے کے لوازم کچھ اور، ـــــ اسی طرح کسی ملک کے بالفعل مسلمان بننے یعنی اس میں عملاً اسلام کے نظامِ معاشرت و سیاست و معیشت کے قیام کے لوازم کچھ اور ہیں اور مجرّد زندہ رہنے یا قائم و برقرار رہنے کی شرائط کچھ اور ہیں۔ چنانچہ جیسے ایک انسان کو مسلمان بننے کے لئے کسی نہ کسی مقدار میں ایمان کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ اگر ایمان کی کوئی رمق بھی اس کے دل میں نہیں ہوگی تو وہ خواہ زبان سے اپنے اسلام کا کتنا ہی دعویٰ کرے اسلام پر بالفعل عمل پیرا نہیں ہو سکتا، جبکہ کسی بھی انسان کو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم زندہ رہنے کے لئے غذا، پانی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے تو اس کی موت واقع ہو جانا لازمی ہے۔ چنانچہ ہوا کی بندش سے تو موت چند منٹوں ہی میں آجائے گی، پانی اور خوراک کے انقطاع سے بھی موت یقینی ہے اگرچہ فوری نہیں! ـــــ بالکل اسی طرح کسی ملک یا معاشرے کے عملاً "مسلمان" بننے کے لئے تو ضروری ہے

کہ اس میں مجموعی طور پر اسلام پر فی الجملہ اعتماد اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کا ایک ایسا قوی جذبہ اور زوردار داعیہ پیدا ہو جائے جو پوری قوت و شدّت کے ساتھ بروئے کار آئے ـــــ لیکن اُس کے آزادانہ اور باوقار بقا کے لئے لازم ہے کہ اس میں ایک جانب ایک مؤثر 'عصبیّت' موجود ہو جو نہ صرف افراد بلکہ مختلف گروہوں اور طبقوں کو باہم متحد و مربوط رکھ سکے اور دوسری جانب تمدّنی ارتقاء کی جس سطح تک وہ معاشرہ بالفعل پہنچ چکا ہو اس کے معیارات کے مطابق اطمینان بخش حد تک سماجی عدل و انصاف قائم ہو اور لوگوں میں شمولیت کا احساس (SENSE OF PARTICIPATION) برقرار رہے۔

چنانچہ ان معاشروں اور ملکوں سے قطع نظر جو تا حال ازمنۂ قدیم کے قبائلی نظام یا ازمنۂ وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام ہی کے ذہنی و فکری اور جذباتی و نفسیاتی ماحول میں جی رہے ہوں، عہدِ جدید کے کسی ملک اور معاشرے میں سیاسی اور جمہوری عمل کو مصنوعی طور پر روکے رکھنا اجتماعی خودکشی کے مترادف ہے! بالخصوص ایسے ممالک یا معاشرے جو مختلف لسانی و ثقافتی اکائیوں پر مشتمل ہوں، اُن کے لئے تو انتخابی و سیاسی عمل کا جاری رہنا بالکل تنفّس کے جاری رہنے کے مشابہ ہے اور اس کا تعطّل خوفناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

لیکن دوسری جانب اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ راقم اس حقیقت سے بھی پوری طرح باخبر ہے کہ انتخابی یا سیاسی عمل کے ذریعے کسی ملک یا معاشرے میں قائم سماجی و معاشرتی اور سیاسی و معاشی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے سے قائم نظام کو بہتر انداز اور زیادہ خوش اسلوبی سے چلایا جا سکے۔ اس لئے کہ انتخابی عمل کے ذریعے اکثر و بیشتر صرف وہی لوگ آگے آ سکتے ہیں جو اس ملک میں قائم معاشرتی اور معاشی ڈھانچے میں قوت و طاقت کے مراکز (CENTRES OF POWER) پر قابض ہوں اور اُن سے یہ توقع کرنا عبث بلکہ حماقت ہے کہ وہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے اور اُن مراکزِ قوت ہی میں کوئی بنیادی تبدیلی گوارا کر لیں گے جن کی اساس پر وہ خود برسرِ اقتدار آئے ہوں۔

لہٰذا راقم پوری شدّت کے ساتھ یہ رائے رکھتا ہے کہ پاکستان میں اسلام تو انقلاب ہی کے ذریعے آ سکتا ہے، انتخابات کے ذریعے نہیں ـــــ البتہ اگر انتخابات کے سلسلے

کورد کے رکھا گیا، یا اس میں غیر فطری قدغنیں عائد کی گئیں تو اس کا شدید اندیشہ ہے کہ وہ ملک ہی باقی نہ رہے جس میں اسلامی انقلاب لایا جا سکے ـــــ اور بات وہ ہو جائے جو مرزا محمد منوّر بالقابہ کے اس شعر میں بیان ہوئی ہے کہ ؎

چہ دارد سعیٔ ما سودے نمی یابیم مقصودے کہ برگ و خس بیاوردیم و شاخِ آشیاں گم شد!

یہ دوسری بات کہ بقول ''خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ'' کے مصداق پاکستان کے مخصوص تاریخی پس منظر کے پیشِ نظر اور خاص طور پر اس وجہ سے کہ یہاں سوائے اسلامی عصبیت کے اور کوئی عصبیت ایسی موجود نہیں ہے جو کل پاکستان سطح پر بروئے کار آسکے۔ راقم کی سوچی سمجھی رائے یہ بھی ہے کہ محض جمہوریت بھی اس ملک کے بقاء و استحکام کی دیرپا اساس نہیں بن سکتی اور بحالیٔ جمہوریت سے بلاشبہ فوری بحران تو ختم ہو جائے گا لیکن پاکستان کے دوام و استحکام کی مستقل بنیاد صرف ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی اسلامی انقلاب ہی بن سکتا ہے! یہی وجہ ہے کہ راقم نے گذشتہ کم از کم بیس برس سے اپنے اکثر و بیشتر اوقات اور بہتر و بیشتر مساعی کو تو مستقبل کے ''اسلامی انقلاب'' کے لئے ''برگ و خس'' کی فراہمی کے لئے وقف کر رکھا ہے ـــــ البتہ ہمیشہ سیاسی و جمہوری عمل کے جاری رہنے کی وکالت کی ہے!

چنانچہ جنرل ضیاء الحق صاحب سے اپنی پہلی ملاقات کے موقع پر جو ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو پہلے علماء کنونشن سے متصلاً قبل ایک مختصر مشاورت پر ہوئی تھی راقم نے اپنے اس نقطۂ نظر کو پیش کر دیا تھا کہ مارشل لاء کا تسلسل ملک و ملّت کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔ چنانچہ ۲۷ دسمبر ۸۲ء کو جو خط راقم نے جنرل صاحب کو ارسال کیا تھا اس میں بھی اس گفتگو کا حوالہ موجود ہے:

> ''آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸ اگست ۸۰ء کو بالکل علیحدگی میں گفتگو کے دوران میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ ''ملک میں جو سیاسی خلاء مارشل لاء کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے اس کو دور کرنے کے لئے آپ کے ذہن میں کیا نقشہ ہے! میری رائے میں تو یہ سیاسی خلاء (POLITICAL VACUUM) خودکشی کے مترادف ہے!!''............سقوطِ

مشرقی پاکستان کے بعد ہمارے سیاسی مبصروں اور تجزیہ نگاروں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے اسباب میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ اس سبب کو بیان کیا تھا کہ پاکستان میں (ایوب خاں مرحوم کے) مارشل لاء کے نفاذ نے وہاں کے لوگوں میں سیاسی محرومی کا احساس پیدا کر دیا تھا اور علیحدگی پسندوں کے ہاتھ میں سب سے بڑی دلیل یہ آگئی تھی کہ فوج چونکہ ساری مغربی پاکستان کی ہے لہٰذا فوج کی حکومت کے معنی یہ ہیں کہ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان پر حکومت کر رہا ہے۔ آج بعینہٖ یہی دلیل سندھ کے علیحدگی پسندوں کے ہاتھوں میں ہے کہ فوج کا اکثر و بیشتر حصّہ پنجاب سے ہے اور کچھ تھوڑا سا سرحد سے۔ لہٰذا مارشل لاء کے پردے میں اصلاً 'پنجاب' ہم پر حکومت کر رہا ہے ـــــ اور ہر گزرنے والا دن اس دلیل کو قوی سے قوی تر کر رہا ہے! ـــــ بنا بریں میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا اس تعطّل کو جلد از جلد رفع کرنے کی جانب واضح پیش قدمی فرمائیے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آتش فشاں پھٹ پڑے اور پھر ملک و ملّت کے کسی بھی بہی خواہ کے کئے کچھ نہ ہو سکے۔!!"

دو ممکنہ عملی صورتیں

پاکستان میں بحالیٔ جمہوریت کا عمل چونکہ دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ یعنی ایک یہ کہ تشکیلِ حکومت بالکلیہ عوام کے آزادانہ ووٹ کی بنیاد پر ہو اور دوسرے ملکی دستور بھی بالکلیہ عوام کی اکثریت کی رضا اور پسند کے مطابق ہو ـــــ لہٰذا اس کے ضمن میں عملی راہیں بھی دو ممکن ہیں؛ یعنی ایک یہ کہ پہلے ۱۹۷۳ء کے اصل دستور کے مطابق ملک میں انتخابات ہوں اور پھر جو اسمبلی اس طرح وجود میں آئے وہ اسی دستوری طریقِ کار کے مطابق دستور میں ترمیم کرے جو خود اس دستور میں طے شدہ ہے ـــــ اور دوسرے یہ کہ پہلے ایک دستور ساز اسمبلی کا انتخاب عمل میں لے آیا جائے اور وہ ایک قابلِ قبول دستور تیار کرے جس کے مطابق انتقالِ اقتدار کے لئے دوبارہ انتخاب ہو! اور اس وقت تک جو بھی انتظامی ڈھانچہ فی الوقت موجود ہے وہ ایک عارضی نگران (CARE TAKER) ادارے کی حیثیت سے برقرار رہے۔

اس وقت ملک وملّت جس صورتِ حال سے دوچار ہیں اُن کے پیشِ نظر تو راقم کی رائے پہلے طریقے ہی کے حق میں ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ملک میں اس کے لئے تدریجاً ایک اتفاقِ رائے وجود میں آتا نظر آرہا ہے ـــــ لیکن آج سے چار سال قبل کے حالات میں جبکہ جنرل محمد ضیاء الحق ایک غیر جماعتی انتخاب ہی پر تلے ہوئے تھے، راقم نے جو تجویز جنرل صاحب کے نام خط میں پیش کی تھی اسے بھی دوبارہ ریکارڈ پر لے آنا مناسب ہے تاکہ اُس کا ذہن بلاکم وکاست قوم کے سامنے آجائے! چنانچہ وہ لفظ بلفظ درج ذیل ہے :

" مجھے خوب اندازہ ہے کہ ایک جانب ہم اس وقت جس صورت حال سے دوچار ہیں، اس میں (اکثر سیاسی جماعتوں کے 'مبیّنہ' موقف کے مطابق) ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت انتقالِ اقتدار کیلئے فوری انتخاب میں بہت سی پیچیدگیاں مضمر ہیں۔ دوسری جانب ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو مختلف تجویزیں ہیں، وہ بھی ملک وملّت کی خیر خواہی کے جذبے پر مبنی ہیں ـــــ اور تیسری جانب مختلف سیاسی حلقوں کی طرف سے بھی جو اختلافِ رائے ان موضوعات پر سامنے آرہا ہے کہ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط؛ اور حسبِ سابق ہوں یا متناسب نمائندگی کے اصول پر؛ وغیرہ وغیرہ ـــ وہ بھی یقیناً خلوص واخلاص ہی پر مبنی ہیں ـــــ لیکن میرے نزدیک اصل سوال یہ ہے کہ ان معاملات میں آخری فیصلہ کرنے کا مجاز کون ہے؟ کیا صرف آپ اور آپ کے رُفقاءِ کار، یعنی مارشل لاء انتظامیہ؟ یا زیادہ سے زیادہ وہ سیاسی جماعتیں جو کسی درجے میں آپ کی منظورِ نظر ہیں یا کم از کم آپ کے لئے قابلِ قبول ہیں ـــ؟؟ یا کوئی اور ـــ؟؟؟

میں اس مسئلے پر کم از کم چھ ماہ سے مسلسل غور کرتا آرہا ہوں ـــ اور ایک رائے جس پر میرا دل ٹھک گیا ہے، تجویز کی صورت میں خالصتہً ملک وملّت اور خود آپ کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں - وہ تجویز یہ ہے کہ :

(۱) ملک میں ایک انتخاب فوراً ہو۔ یعنی فروری یا مارچ ۸۲ء، یعنی یہ انتخاب

انتقالِ اقتدار یا تشکیلِ حکومت کے لئے نہ ہو بلکہ ایک "منتخب مجلسِ شوریٰ" یا "مجلسِ ملّی" کے لئے ہو ـــــ اس میں حق رائے دہی کی اساس اور حلقہ جات کی تشکیل تو بالکل وہی ہو جس پر فروری ۷۷ء میں انتخابات ہوئے تھے۔ لیکن ہو یہ خالص غیر جماعتی بنیاد پر!

(۲) اس طرح جو مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی وجود میں آئے اس کے سامنے ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں جو تجاویز آپ کے سامنے ہیں، وہ آپ رکھیں اور طرزِ انتخاب وغیرہ کے ضمن میں جو باتیں دوسرے لوگوں کے سامنے ہیں، انہیں وہ رکھیں اور اِن تمام پر یہ مجلس ایک سال کے عرصے کے اندر اندر فیصلہ دے، جو نہ صرف یہ کہ دو تہائی اکثریت پر مبنی ہو بلکہ ہر صوبے سے منتخب شدہ لوگوں کی بھی کم از کم نصف تعداد لازماً اس میں شامل ہو ـــــ!

(۳) اگر یہ مجلس اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سر کر لے اور مطلوبہ اکثریت کے ساتھ نظام تجویز کر دے تو مارشل لاء انتظامیہ تین سے چھ ماہ کے اندر اندر اس کے مطابق انتقالِ اقتدار اور تشکیلِ حکومت کے لئے الیکشن کرا دینے کی پابند ہو ـــــ اور اگر وہ مجلس ایک سال کے اندر اندر تفویض کردہ ذمّہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو وہ از خود تحلیل (DISSOLVE) ہو جائے اور پھر تین سے چھ ماہ کے عرصے میں اسی "مجلسِ شوریٰ" یا "مجلسِ ملّی" کا انتخاب دوبارہ ہو اور جب تک مطلوبہ اتفاقِ رائے (CONCENSUS) حاصل نہ ہو یہ سلسلہ جاری رہے ـــــ اور اس دوران میں فوج کے لئے نہ صرف اخلاقاً جائز بلکہ ملک و قوم کی حفاظت و سالمیت کے اعتبار سے لازم سمجھا جائے کہ وہ 'CARE TAKER' کی حیثیت سے کاروبارِ حکومت چلاتی رہے ـــــ!

اس تجویز کے محاسن یا روشن پہلوؤں پر گفتگو کو میں اس لئے تحصیلِ حاصل سمجھتا ہوں کہ وہ اظہر من الشمس ہیں ـــــ البتّہ اس کے خلاف اس واحد دلیل کا جائزہ لینا لازمی ہے جو بادی النظر میں بہت قوی معلوم ہوتی ہے یعنی یہ کہ کہیں مجوّزہ

مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی ایک بھرپور دستوریہ (FULL FLEDGED CONSTITUENT ASSEMBLY) کا کردار اختیار نہ کرلے اور دستوریہ ملکی کے خطرناک صندوقچے (PANDORAS BOX) کو کھول کر اُن نازک اور پیچیدہ مسائل کو از سرِ نو نزاعی نہ بنا دے جو ۱۹۷۳ء کے دستور میں طے شدہ ہیں۔
میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور اور بودی ہے، اس لئے کہ مسائل کا حل ان سے اعراض اور صرفِ نظر سے نہیں بلکہ مقابلے اور مواجہے (یعنی 'FACE' کرنے) ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ پاکستان کا قیام محض ایک وقتی حادثہ نہ تھا بلکہ ہندو جیسی منظم اور بیدار قوم اور وقت کی حکمران طاقت (لیبر گورنمنٹ) کی متفقہ خواہشات کے علی الرغم پاکستان صرف اس لئے قائم ہوا کہ ایک طرف مسلمانانِ ہند کے لئے ہندوؤں کے انتقامی طرزِ عمل کے اندیشے کا منفی محرک موجود تھا تو دوسری طرف احیاءِ اسلام کا مثبت جذبہ بھی موجود تھا جسے قائدِ اعظم مرحوم کے مسلسل اعلانات نے ایک نہایت قوی اُمید کی صورت دے دی تھی ـــ اور تیسری طرف ارادۂ الٰہی اور مشیّتِ ایزدی بھی شامل تھی جو اصل فیصلہ کن عامل (FACTOR) ہے۔
اور یہ تینوں عوامل اب بھی پوری قوت و شدّت کے ساتھ موجود ہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی جائے (یعنی انہیں 'MOBILISE' کیا جائے) اور یہ کام ان شاء اللہ اس مجوّزہ مجلسِ شوریٰ یا مجلسِ ملّی اور اس کے لئے منعقد ہونے والے انتخابات کے ذریعے ہو جائے گا۔ اس لئے کہ چونکہ یہ انتخابات نہ تشکیلِ حکومت کے لئے ہوں گے اور نہ ہی جماعتی بنیادوں پر ہوں گے۔ لہٰذا اس میں سیاسی حلقوں اور جماعتوں کی صف بندی (POLARISATION) خالصتہً اس اساس پر ہو گی کہ کون محبِّ دین اور محبِّ وطن ہے! اور کون لادینیّت، الحاد، مادہ پرستی، اباحیت اور علاقائی و لسانی قومیتوں کا عاشق اور پرستار ـــ!! اور مجھے یقین ہے کہ اگر تقسیم اس واضح اساس پر ہو تو ان شاء اللہ فیصلہ کُن فتح محبِّ اسلام اور محبِّ پاکستان قوتوں

کو حاصل ہو گی۔ جیسے کہ اکثر مبصّرین اور تجزیہ نگار حضرات نے سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کہا تھا کہ وہاں اگر لوگوں کے سامنے اصل مسئلہ یہ رکھا جاتا کہ 'پاکستان' کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا اس سے علیحدہ ہونا؟ تو وہاں کے عوام کی غالب اکثریت لامحالہ 'متحدہ پاکستان' کے حق میں رائے دیتی! مجھے اس تجزیئے سے کامل اتفاق ہے ــــــ اور مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری تجویز پر عمل درآمد کے نتیجہ میں ان شاء اللہ العزیز 'تحریکِ پاکستان' کے از سرِ نو احیاء کا وہ مقصد باحسن بوجوہ حاصل ہو جائے گا جس کے لئے آپ ہر سال 'یوم پاکستان' ــــ 'یوم اقبال' ــــ اور 'عید میلاد النبیؐ' منانے کے ضمن میں کروڑوں روپے صرف کر رہے ہیں۔ (جو معاف فرمائیے، اکثر و بیشتر ضیاعِ محض ہے)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ ان سطور پر وہ تحریر ختم ہوتی ہے جو 'استحکام پاکستان' کے بعد اور "پاکستان میں اسلامی انقلاب: کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟" سے پہلے صوبۂ سندھ اور خاص طور پر کراچی کے حالات و واقعات سے شدید تاثر کی بنا پر ایک طویل جملۂ معترضہ کے طور پر سپردِ قلم ہو گئی ــــ

اب ان شاء اللہ جلد ہی اسلامی انقلاب کے موضوع پر اصل کتاب کی تسوید شروع ہو جائے گی جس کا مکمل مواد بحمد اللہ ذہن میں موجود ہے ــــــ اور جس پر راقم نے پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں تو مفصل تقریریں کی ہی ہیں، اس سال ماہِ اگست کے اوائل میں امریکہ میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ I.S.N.A کے مرکز واقع پلین فیلڈ میں منعقدہ ایک چھ روزہ کیمپ میں بھی مفصل تقریریں ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کیں جن کے دو دو گھنٹوں کے چھ وڈیو کیسٹ تیار ہوئے، اور اس طرح گویا زبان و بیان کی حد تک یہ بات پورے شرح و بسط کے ساتھ بیرونِ پاکستان بھی پہنچ چکی ہے۔

ضمیمہ

دستور سازی کا مسئلہ پاکستان میں اوّل روز سے مشکلات اور پیچیدگیوں کا حامل رہا ہے اور مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بھی اس کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا ذہن اِس سلسلے میں ابتداء ہی سے واضح اور صاف رہا ہے مشرقی پاکستان کے مسئلے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے موصوف نے جولائی ۱۹۶۹ء کے 'میثاق' میں 'تذکرہ وتبصرہ' کے عنوان سے جو فکر پیش کی تھی اُسی انداز کی سوچ ۱۹۷۲ء میں باقی ماندہ پاکستان کے دستوری مسئلے کے حل کے لیے صدر ضیاء الحق کے نام خط میں سامنے آئی۔ مسئلہ سندھ کے حوالے سے یہ کتاب بھی اُن کے اُسی انداز فکر کی آئینہ دار ہے۔ اِس سلسلے میں انہوں نے کراچی کے حالیہ ہنگاموں کے فوراً بعد ۱۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کو ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا تھا۔ اسی مناسبت سے پریس کانفرنس میں پڑھے گئے بیان کا مکمل متن جواب تک اپنی مکمل شکل میں کہیں شائع نہیں ہوا اور جولائی ۱۹۶۹ء کے تذکرہ وتبصرہ کے اقتباس کی نقل اِس ضمیمے میں شامل کیا جارہا ہے۔ اِس کے علاوہ سندھ کی زمینوں کے مسئلے سے متعلق ایک سندھی بزرگ ماسٹر اللہ رکھا صاحب کی تاریخی روایت پر مبنی رفیق محترم نجیب صدیقی صاحب کے خط کے مشمولات جو جنوری ۱۹۸۷ء کے 'میثاق' میں شائع ہوچکے ہیں، قندِ مکرر کے طور پر پیشِ خدمت ہیں۔ (ناشر)

دستور سازی کا مسئلہ اور مشرقی پاکستان

(اقتباس از میثاق بابت جولائی ۱۹۶۹ء)

اور یہ ساری پیچیدگی اور اشکال کا نتیجہ ہے کہ بائیس سال کی طویل مدت میں بھی پاکستان کا کوئی دستور نہیں بن سکا اور دستور سازی کے میدان میں نہ صرف یہ کہ ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ دور دور تک امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی اور اجماعِ

روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے !!!

اس اشکال اور الجھاؤ کا مستقل حل تو ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ دینی جذبات اور ملّی احساسات کو مسلسل اُجاگر کیا جاتا رہے اور اس جذبہ کے دوام اور تسلسل کا مستقل اور پائدار بندوبست کیا جائے جو ایک دوسرے سے اتنے بعید اور باہم اس قدر مختلف خطّوں کے ایک مملکت میں شامل ہونے کا سبب بنا تھا۔ تاہم فوری طور پر بعض دوسری چیزیں بھی پیش نظر رہنی ضروری ہیں:

ایک یہ کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اس سنجوگ کا برقرار رہنا مشرقی پاکستان کے عوام کی آزاد مرضی ہی پر منحصر ہے اور اسے کسی حربہ بھی ان پر ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ بلکہ اس معاملے میں جبر و تشدد کا ردِّ عمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس "آزاد مرضی" کا انحصار بھی جتنا کچھ دینی جذبات اور ملّی احساسات پر ہے اتنا ہی اس امر پر بھی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ یہ محسوس کریں کہ ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہو رہی بلکہ مثبت طور پر انہیں یہ احساس بھی ہو کہ خود ان کا مفاد مغربی پاکستان کے ساتھ رہنے ہی سے وابستہ ہے اور مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں ایک دوسرے سے پیوستہ رہ کر ہی دنیا میں ایک باعزت اور باوقار آزاد مملکت کی حیثیت سے زندہ رہ سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ اگر خدانخواستہ کبھی "علیحدگی" کی صورت پیدا ہوئی تو مغربی پاکستان کے لئے تو پھر بھی امکان غالب موجود ہے کہ وہ اپنی آزاد اور باوقار حیثیت کو برقرار رکھ سکے گا، لیکن مشرقی پاکستان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ کسی دوسری وسیع تر قومیت میں ضم اور کسی دوسری بڑی مملکت میں جذب ہو کر رہ جائے۔

ان دو امور کی روشنی میں جائزہ لیا جانا چاہیئے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی مرضی دراصل ہے کیا؟ ——— اگر وہ واقعتہً مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو کر ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کے خواہش مند ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی اس خواہش کے آڑے نہیں آ سکتی۔ بین الانسانی علائق میں سب سے زیادہ مقدّس رشتہ میاں اور بیوی کا ہوتا ہے لیکن اس میں بھی دینِ فطرت نے علیحدگی کی ایک سبیل رکھ دی ہے اور صاف ہدایت کی ہے کہ اگرچہ طلاق، حلال چیزوں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے تاہم "معلق" رکھنے سے بہتر یہی ہے کہ علیحدگی اختیار کر لی جائے ——— بالکل اسی طرح اگر ہمارے مشرقی پاکستانی بھائی واقعتہً یہ محسوس کرتے ہوں کہ مغربی پاکستان کے ساتھ

رہنے میں انہیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے تو اُن کی بے اطمینانی کے سبب سے پورے ملک کی سیاسی و دستوری زندگی کو مسلسل و معطل، رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ اُن کی مرضی کو برتنے کا آنے کا موقع دے دیا جائے۔

ہم نے اوپر بھی عرض کیا تھا ـــــ اور اب مزید وضاحت سے کہے دیتے ہیں کہ مشرقی و مغربی پاکستان کے مابین 'مساوات' کا مفہوم اگر یہ ہے کہ دارالحکومت ایک مغربی پاکستان میں ہو اور دوسرا مشرقی پاکستان میں اور مرکزی حکومت چھ ماہ وہاں رہے اور چھ ماہ یہاں۔ اور دفاعی اخراجات میں بھی لازماً کامل مساوات برتی جائے تو یہ خالص احمقانہ تصور ہے۔ ایسی مساوات خاندان کے مختصر سے ادارے میں بھی نہیں چل سکتی۔ کُجا یہ کہ ایک عظیم مملکت جو طرح طرح کی پیچیدگیوں سے دوچار ہو، اس کے انتظام و انصرام میں برتی جا سکے اور ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ دونوں خطّے آزاد ہو کر اپنے اپنے بقا و استحکام اور تعمیر و ترقی کی فکر کریں ـــــ !!

لیکن ہمیں یقین ہے کہ مشرقی پاکستان کے عوام کی خواہش ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ مغربی پاکستان سے علیحدہ ہوں۔ اور اگرچہ ماضی قریب میں ان پر یہ 'بہتان' کثرت سے لگایا گیا ہے کہ ان میں 'علیحدگی پسندی' کا رجحان موجود ہے۔ ہم یہ باور نہیں کر سکتے کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان حقائق و واقعات اور موجود الوقت ظروف و احوال سے اتنے بے خبر ہو سکتے ہیں کہ ان خطرات کا اندازہ نہ کر سکیں جو ایسی کسی تجویز میں لازماً مضمر ہیں ـــــ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ان میں زیادہ سے زیادہ بس " صوبائی خود اختیاری " کے حصول کی خواہش ہے اور وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ صوبائی معاملات میں انہیں زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو اور یہ ہمارے نزدیک ان کا ایک ایسا حق ہے جس سے کسی بھی معقول انسان کو کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اور مرکزی حکومت کے مؤثر طور پر اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو امور ضروری ہیں انہیں مرکز کی تحویل میں دینے کے بعد بقیہ تمام معاملات میں مشرقی پاکستان کو کامل صوبائی خود اختیاری لازماً ملنی چاہیئے۔

انہی متذکرہ بالا دو امور کی روشنی میں دستور کے مسئلے پر بھی ایک بار حتمی طور پر فیصلہ کر لینے کی شدید ضرورت ہے اور تمام حالات و واقعات کا مردانہ وار مواجہہ کر کے اس مسئلے کو ایک بار قطعی طور پر طے کر لینا لازمی ہے اور اگرچہ ہم ان لوگوں میں سے ہیں جن کے نزدیک

کسی مملکت کے انتظام و انصرام میں اصل فیصلہ کن عامل کی حیثیت دیانت و امانت کو حاصل ہے نہ کہ قواعد و ضوابط اور تدابیرِ تحدید و توازن (CHECKS AND BALANCES) کے اس بے جان ڈھانچے کو جسے "دستور" کہا جاتا ہے۔ تاہم ہمارے یہاں جو خلا اس میدان میں چلا آرہا ہے اسے ایک بار جرأت و ہمت کے ساتھ عوام کی آزادانہ رائے کے مطابق پُر کر لینا ہی بہتر ہے۔

بیان پریس کانفرنس

منعقدہ ۱۷ دسمبر ۱۹۸۶ء

کراچی اور حیدرآباد میں ان دنوں جس قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، ایسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ملّتِ اسلامیہ پاکستان کے لئے اللہ تعالےٰ کی جانب سے آخری تنبیہ ہے اور اگر ہم اب بھی ہوش میں نہ آئے تو اللہ کی شان بے نیازی سے کچھ بعید نہیں کہ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کا وہی حشر ہو جو اب سے لگ بھگ پانچ سو سال قبل سپین میں ہوا تھا ——— اس لئے کہ ہم نے قیام پاکستان کے ضمن میں اللہ تعالےٰ سے جو وعدے کئے تھے اُن کی مسلسل خلاف ورزی کے باعث، اللہ کے اٹل قانون کے مطابق عملی نفاق کی سزا ہم پر بہت عرصے سے مسلط ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝

——— "تو اللہ نے سزا کے طور پر اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک کے لیے جب وہ اس کے حضور حاضر ہوں گے بسبب اس کے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس جھوٹ کے جو وہ بولتے تھے۔

جس کے نتیجے میں پوری قوم کے اخلاق و کردار کا دیوالہ نکل چکا ہے، اور جھوٹ، خیانت، بدعہدی اور ذرا سے اختلاف پر آپے سے باہر ہو جانے کی جن چار صفات کا ذکر ایک متفق علیہ حدیث میں نفاق کی علامات کے طور پر آیا ہے وہ سب کی سب قوم کی اکثریت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

وعن عبداللہ ابن عمروؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ منهن کانت فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَ[۱]اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَ[۲]اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ[۳]اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔" (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار باتیں جس شخص میں موجود ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی اس میں اسی کی نسبت سے نفاق ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب[۱] امانت کا حامل بنایا جائے خیانت کا ارتکاب کرے، جب[۲] بات کرے جھوٹ بولے، جب[۳] عہد کرے تو بے وفائی کرے اور جب[۴] (کسی سے) جھگڑے تو آپے سے باہر ہو جائے۔"

—— اخلاق اور کردار کے اس بحران (CRISIS) کے علاوہ ہماری پیٹھ پر عذابِ خداوندی کا جو کوڑا اب سے ٹھیک پندرہ سال قبل سقوطِ مشرقی پاکستان اور اس کے ضمن میں اپنے پیدائشی دشمن بھارت کے ہاتھوں ایک انتہائی ذلت آمیز شکست کی صورت میں پڑا تھا اس کی حیثیت قرآن میں بیان شدہ قانونِ خداوندی (سورہ سجدہ: آیت ۲۱) کے مطابق آخری سزا سے پہلے خوابِ خرگوش سے بیدار کرنے والی تنبیہہ کی تھی —— لیکن چونکہ ہم اس پر بھی ہوش میں نہیں آئے، اور نہ ہماری ذاتی زندگیوں کے رنگ ڈھنگ بدلے نہ اجتماعی سطح پر قومی و ملی تعمیر کی کوئی موثر کوشش ہوئی، لہٰذا

اب عذاب الٰہی کی اُس شدید ترین صورت کا آغاز ہوگیا ہے۔
جس کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت ۶۵ میں ملتا ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ	کہہ دو (اے نبی) وہ اس پر قادر ہے
يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ	کہ تم پر عذاب اوپر سے بھیجے یا تمہارے
فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ	پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں مختلف
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا	فرقے (گروہ) کرکے ٹکرا دے
وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ	اور ایک کو دوسرے کی جنگی قوت کا
بَعْضٍ ۭ (الانعام: ۶۵)	مزہ چکھا دے۔

——— چنانچہ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ مملکتِ خداداد پاکستان میں مسلم قومیت کا تصور رفتہ رفتہ تحلیل ہو کر نسلی اور لسانی قومیتوں کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اب ان قومیتوں کے مابین ذہنی و قلبی بُعد ہی نہیں، نفرت و عداوت کے جذبات بھی پیدا ہو گئے ہیں جن سے ہمارے اندرونی اور بیرونی دشمن بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں، جس کی بدترین مثال کراچی کی حالیہ وحشیانہ ہی نہیں، سفاکانہ قتل و غارت گری ہے!۔
اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بحالات موجودہ جو سب سے بڑی دُعا کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ عذاب بھی سورۃ سجدہ کی آیات کے مطابق سابقہ تنبیہات کی طرح ایک تنبیہہ ہو۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ	اور ہم انہیں لازماً قریب کا عذاب
الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ	بھی اُس بڑے عذاب سے پہلے
الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝	چکھائیں گے تاکہ وہ باز آجائیں۔
(السجدۃ: ۲۱)	

اور ہمیں سورۃ انبیاء کی آیت ۱۱۱ کے مصداق کلّی خاتمے والے عذاب سے قبل کچھ مزید مہلت عمل مل جائے،

وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ	اور میں نہیں جانتا شاید کہ یہ
فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى	(مہلت) تمہارے لئے مزید ایک

حِینٍ ہ   الانبیاء: ۱۱۱)   آزمائش اور ایک وقت معیّن تک
مزید فائدہ اٹھا لینے کا موقع ہو۔

—— لیکن اُس کی شرط لازم یہ ہے کہ پوری قوم کامل خلوص و اخلاص کے ساتھ اللہ کی جناب میں توبہ کرے اور ایک طرف ہر مسلمان صمیم قلب کے ساتھ عہد کرے کہ وہ آئندہ انفرادی طور پر خود اللہ تعالےٰ کے کسی حکم کے خلاف ورزی نہیں کرے گا، اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے اجتماعی جدّوجہد میں تن من دھن لگا دے گا۔ اور دوسری طرف جملہ سیاسی تنظیمیں اور خاص طور پر دینی جماعتیں بھی حالات کی سنگینی اور وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اپنے موقف اور طریق کار پر نظرِ ثانی کریں اور اس راہ میں نہ ضد اور ہٹ دھرمی کو رکاوٹ بننے دیں، نہ گروہی یا جماعتی مصلحتوں کو آڑے آنے دیں۔

اس کے علاوہ سیاسی اور انتظامی سطح پر بھی چند فوری اقدامات لازمی اور ناگزیر ہیں۔ اور ان کے ضمن میں اللہ تعالےٰ ہی سے دُعا ہے کہ وہ اربابِ اقتدار اور اصحابِ حل و عقد کو توفیق دے کہ وہ ذاتی انا کے خول اور خوشامدیوں کے حصار سے نکل کر حقائق کا مشاہدہ کر سکیں اور صحیح اور بروقت اقدامات کے لئے مناسب قوتِ ارادی کو بروئے کار لا سکیں

—— وہ ناگزیر اقدامات حسبِ ذیل ہیں:

۱ - سندھ کی صوبائی حکومت کی نا اہلی اور ناکامی کے اس بیّن اور خوفناک ثبوت کے بعد اس کا مزید ایک دن برقرار رہنا بھی غلط ہے۔ لہٰذا اُسے فوراً برطرف کر کے گورنر راج قائم کیا جائے اور گورنری کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے صوبہ سندھ ہی سے تعلق رکھنے والی کسی معروف اور با اثر شخصیت کو آمادہ کیا جائے!

۲ - جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کی نا اہلی اور ناکامی بھی اظہر من الشمس ہو چکی ہے اور اگرچہ اصولاً تو انہیں فوری طور پر پاکستان کی صدارت اور فوج کے چیف آف سٹاف دونوں عہدوں کے سبکدوش ہو جانا چاہیئے —— لیکن اگر اس صورت میں کسی فوری دستوری بحران کا اندیشہ ہو تو انہیں کم از کم ان میں سے ایک عہدے کو تو فوراً چھوڑ دینا چاہیئے —— تاکہ یہ تاثر کسی قدر کم ہو سکے کہ موجودہ حکومت سابقہ مارشل لا، ہی کے تسلسل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۳ ۔ اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ فی الوقت ملکی سطح پر مسلم قومیت کا جذبہ بے حد کمزور پڑ چکا ہے اور فی الواقع اُس کی جگہ نسلی اور لسانی قومیتوں نے لے لی ہے ۔ لہٰذا اصلاح کے عمل کا آغاز اُن کی نفی سے نہیں بلکہ انہیں مناسب حد تک تسلیم کرتے ہوئے ہی کیا جا سکتا ہے ملکی دستور کے ضمن میں مرکز اور صوبوں کے مابین اختیارات کی تقسیم کے علاوہ زبان اور ثقافت کی اساس پر نئے صوبوں کی تشکیل کے مطالبات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور اس معاملے میں قومی سطح پر اتفاقِ رائے (CONCENSUS) کے حصول کو اوّلین ترجیح دی جانی چاہیئے ۔ جس کے لئے حسب ذیل دو صورتوں میں سے کوئی سی صورت اختیار کی جا سکتی ہے ۔

ا ۔ ۱۹۷۳ء کے اصل متفق علیہ آئین کو صرف ترامیم سے متعلق ترمیم کے ساتھ فوراً بحال کر دیا جائے اور اس کے تحت جماعتی بنیاد پر جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں جن کے ضمن میں رجسٹرڈ اور غیر رجسٹرڈ کی کوئی تقسیم حائل نہ ہو ۔ اس کے بعد آئندہ قومی اسمبلی ہی دستور میں طے شدہ طریق پر دستور میں مطلوبہ ترامیم کرے !

ب ۔ فوری طور پر غیر جماعتی بنیاد پر ایک دستور ساز اسمبلی کا انتخاب کرا دیا جائے جو ایک سال کے اندر اندر ایسا دستور تیار کرے جس پر پوری اسمبلی کے ارکان کی کم از کم دو تہائی تعداد متفق ہو جس میں ہر صوبے کے ارکین اسمبلی کی بھی کم از کم نصف تعداد ضرور شامل ہو ۔ پھر اس نئے دستور کے مطابق انتقال اقتدار کے لئے از سر نو انتخاب ہو !

آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے پاکستان کی کشتی کو ، جو اس کے دین ہی کے نام پر قائم ہوا تھا موجودہ مسائل و مشکلات کے بھنور سے نکال لے ۔ اور قوم کے خواص و عوام سب کو صحیح فہم اور مناسب عمل کی صلاحیت عطا فرمائے ۔ آمین ۔

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۱۰ دسمبر ۸۶ء

امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خاتم النبیین

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کا آخری تحریری ہدایت نامہ

از:- سید وصی مظہر ندوی

حضرت عمرو بن حزم انصاری خزرجی ان نوجوان صحابیوں میں سے ہیں جن کے جوہر قابل کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوعمری ہی میں بڑی اہم ذمہ داریوں پر مامور فرمایا۔ ان کی عمر ابھی ۱۷ سال تھی کہ ان کو اہم سفارتی ذمہ داریوں پر مقرر کیا گیا۔ چنانچہ نجران کے وہ عیسائی پادری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کے لئے آئے تھے اور جو اپنے علم پر بڑے نازاں تھے، ان کے علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو عامل (حاکم)، محصل (ریونیو افسر) اور معلم (مبلغ اور مربی) کی حیثیت سے بھیجا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے صرف چند ماہ قبل ان کو نجران (یمن) میں گورنر مقرر کرتے ہوئے جو تحریری ہدایات دی تھیں، ان کو امام ابوجعفر دیبلی سندھی متوفی ۳۲۲ھ نے 'مکاتیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کے نام سے اپنے ایک مجموعہ میں شامل کیا ہے۔ یہ ہدایت نامہ حضرت عمرو بن حزم کے خاندان میں محفوظ چلا آتا تھا۔ امام ابوجعفر دیبلی کو ان کے پڑپوتے سے ملا ہے۔

حافظ ابن طولون نے اپنی کتاب 'اعلام السائلین' میں امام ابوجعفر دیبلی کے پورے مجموعہ کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمرو ابن حزم کے نام یہ ہدایت نامہ بہت معمولی فرق کے ساتھ احادیث اور تاریخ کی اکثر کتابوں میں محفوظ ہے۔

حضرت عمرو بن حزم کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ہدایت نامہ کا جو پس منظر بیان ہوا ہے اس سے ہدایت نامہ کی چند اہم خصوصیات واضح ہوتی ہیں:

۱ - حجۃ الوداع سے صرف چند ماہ قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات تحریری

صورت میں جاری فرمائی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری تحریری ہدایات ہیں۔

۲۔ یہ انتہائی مستند ہیں۔ تحریر اور زبانی سند کے لحاظ سے یہ قطعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاری کردہ ہدایات ہیں جن کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

۳۔ خوش قسمتی سے ہم کو یہ ہدایات ایک سندھی (پاکستانی) محدث امام ابوجعفر دیبلی کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں۔

۴۔ ان ہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ کسی حاکم کی نگاہ میں کن امور کو اولیت حاصل ہونی چاہیئے اور حاکم کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	"اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے
ھٰذا بیان من اللہ ورسولہ	یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے
"یا ایھا الذین آمنوا اوفوا	اعلان ہے: "اے لوگو! جو ایمان لائے
بالعقود"	ہو عہد و پیمان کو پورا کرو" (القرآن)
عھد من عند النبیؐ	عمرو بن حزم انصاری کو یمن بھیجنے کے
(صلی اللہ علیہ وسلم) لعمرو	موقع پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
ابن حزم الانصاری حین	جانب سے یہ ہدایات عمرو بن حزم
بعثہ الی الیمن۔	کو دی جا رہی ہیں۔
(۱) امرہ بتقوی اللہ فی	(۱) وہ اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ (عمر
امرہ کلہ فان "اللہ	ابن حزم) اپنے تمام معاملات و نظام میں
مع الذین اتقوا والذین	اللہ سے ڈرتا رہے۔ کیونکہ: اللہ ان
ھم محسنون"	کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈریں
	اور جو خوبی کے ساتھ اپنے کام انجام دیں" (القرآن)
۲ وامرہ ان یاخذ	وہ اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ (حکومت)
الحق کما امرہ اللہ۔	کے واجبات اسی طرح وصول کرے
	جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔

(۳) وان يبشر الناس بالخير ويامرهم به	(۳) لوگوں میں بھلائی کی تلقین کرے اور اسی کا حکم دے۔
(۴) ويعلم الناس القرآن ويفقههم فيه۔	(۴) لوگوں کو قرآن سکھائے اور قرآن کی سمجھ پیدا کرے۔
(۵) وينهى الناس ان لا يمس احد القرآن الا وهو طاهر۔	(۵) اور لوگوں کو اس بات سے منع کرے کہ کوئی شخص ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگائے[1]
(۶) ويخبر الناس بالذي لهم والذي عليهم	(۶) اور لوگوں کو صاف طور پر باخبر کر دے کہ ان کے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض ہیں[2]
(۷) ويلين للناس في الحق۔	(۷) لوگوں کے حقوق دینے میں نرمی کا رویہ اختیار کرے۔
ويشتد عليهم في الظلم، وان الله كره الظلم ونهى عنه فقال "الا لعنة الله على الظالمين"	(البتہ) اگر کوئی ظلم کرے تو اس پر سختی کرے۔ اللہ نے ظلم کو ناپسند فرمایا ہے اور اس سے منع فرمایا ہے! چنانچہ اس کا ارشاد ہے "سنو! ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔"
(۸) ويبشر الناس بالجنة وبعملها۔	(۸) لوگوں میں جنت اور جنت دلانے والے اعمال کی تبلیغ کرے۔

---

[1] نمبر ۴ پر چونکہ تعلیم قرآن کا ذکر تھا، اس لئے نمبر ۵ پر اسی کی مناسبت سے ادبِ قرآن کا بھی ذکر کر دیا گیا۔ تاکہ اس باب میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔

[2] اسلامی حکومت کا وجود ایک معاہدۂ عمرانی کے تصور پر قائم ہے، جس میں عوام اور حکومت کے حقوق و فرائض دستوری طور پر متعین کر دیے گئے ہیں۔ ان حقوق و فرائض کی تفصیل چونکہ قرآن حکیم میں ملتی ہے، اس لئے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ہی عوام کے حقوق و فرائض کی عمومی تعلیم و تشہیر کا بھی حکم دے دیا گیا۔

(٩) وينذر الناس بالنار وبعملها۔

(٩) اور لوگوں کو جہنم اور جہنم والے اعمال سے ڈراتے۔

(١٠) ويستألف الناس حتى يفقهوا في الدين۔

(١٠) اور لوگوں کی دلداری کرے تاکہ وہ دین کو سمجھنے کے لئے آمادہ ہوں۔

(١١) ويعلم الناس معالم الحج وسننه وفرائضه وما امر الله به والحج الاكبر والحج الاصغر (وهو العمرة)

(١١) اور وہ لوگوں کو حج کے مناسک، اس طریقے اور اس کے فرائض سکھائے اور اللہ کے احکام کی تعلیم دے اور حجِ اکبر اور حجِ اصغر (عمرہ) سکھائے۔

(١٢) وينهى الناس ان يصلي احد في ثوب واحد الا ان يكون ثوباً واحداً يثني طرفيه على عاتقيه۔

(١٢) لوگوں کو اس بات سے منع کرے کہ وہ ایک چھوٹے سے کپڑے میں نماز ادا کریں۔ البتہ اگر کپڑا بڑا ہو اور اس کے دونوں کنارے دونوں شانوں پر ڈال لئے جائیں تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔

(١٣) وينهى ان يحتبي احد في ثوب واحد يفضي بفرجه الى السماء

(١٣) (نماز میں) کوئی شخص ایک کپڑا پہن کر اس طرح اکڑوں نہ بیٹھے کہ اس کی ستر کھلی ہوتی ہو۔

(١٤) ولا يعقص احد شعر رأسه اذا اعفاه على قفاه۔

(١٤) اگر کسی نے اپنے بال بڑھا کر گدی پر لٹکا لیے ہوں تو ان کا (نماز میں) جوڑا نہ باندھے۔

(١٥) وينهى اذا كان بين الناس صلح عن الدعاء الى العشائر والقبائل وليكن دعاءهم الى الله وحده لا شريك له فمن

(١٥) [١] اور لوگوں کے درمیان اگر اختلاف ختم کرنے کیلئے صلح ہو رہی ہو تو لوگوں کو اس بات سے منع کرو کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ یا اپنے اپنے خاندان کا نعرہ

---

[١] نماز کے ساتھ وحدتِ اسلامی کے احکام مذکور ہیں، کیونکہ نماز وحدتِ اسلامی کی اساس ہے۔

لم یدع الی اللہ ودعا الی العشائر والقبائل فلیعطفوا بالسیف حتی یکون دعاءھم الی اللہ وحدہ لاشریک لہ	لگائیں۔ انکو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کا نعرہ لگانا چاہیئے۔ لیکن جو لوگ اللہ کا نعرہ نہ لگائیں اور خاندانوں اور قبیلوں کی طرف بلائیں تو ان کو تلوار کے ذریعہ سے جھکایا جائے۔ یہاں تک کہ وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا نعرہ لگائیں۔
(۱۶) ویامر الناس باسباغ الوضوء وجوھھم وایدیھم الی المرافق وارجلھم الی الکعبین ویمسحوا برؤسھم کما امر اللہ۔	(۱۶) اور وہ لوگوں کو حکم دے کہ وہ وضو میں اپنے چہروں کو اچھی طرح دھوئیں ہاتھوں کی کہنیوں اور پیروں کے ٹخنوں تک پانی پہنچائیں۔ وہ اپنے سروں پر اس طرح مسح کریں جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے۔
(۱۷) وامرہ بالصلوٰۃ لوقتھا	(۱۷) اور انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ــــــــــــــــــــ

نٹ یہ ہدایات دراصل سورہ حجرات کی مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر ہیں:۔

"اگر مومنوں کے دو گروہ لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرنے پر تل جائے تو زیادتی کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹنے پر آمادہ ہو جائے۔ اگر یہ گروہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹنے پر آمادہ ہو جائے تو دونوں کے درمیان مصالحت کرا دو۔ اور جس کا حق ہے اس کا حق اسے دلا دو۔ یقیناً اللہ تعالےٰ حق دلانے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اس آیت اور اس سے ماقبل کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر خاندان، ذات اور قبیلے وغیرہ کی فطری بنیادوں پر اگر فطری حد تک قرب و یگانگی پیدا ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ فطری تنظیمیں اگر عصبیت کے دائرہ میں داخل ہو کر اسلامی وحدت کو مجروح کرنے لگیں تو ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا چاہیئے۔

سلہ :چونکہ اسلامی تعلیمات اور روایات کے مطابق نماز باجماعت کا اہتمام کرنا حاکم کا فرض ہے، اسلئے نماز باجماعت کے جملہ احکام براہ راست عمرو بن حزم کو دیئے گئے ہیں۔ عام مسلمان اس حکم میں تبعاً داخل ہیں

واتمام الركوع والخشوع۔ ويغلس بالصبح ويهجر بالهاجرة حتى تميل الشمس وصلوٰة العصر والشمس في الارض مدبرة والمغرب حين يقبل الليل ولا يؤخر حتى تبدو النجوم في السماء والعشاء اوّل الليل۔ وامره بالسعي الى الجمعة اذا نودي لها۔ والغسل عند الرواح۔

نے) اس کو (عمرو بن حزم) حکم دیا ہے کہ وہ نمازیں وقت پر ادا کرے (رکوع اور خشوع (قلبی جھکاؤ) کو مکمل کرے نمازِ فجر اندھیرے میں ادا کرے اور سورج کے مغرب کی جانب جھکنے سے قبل نمازِ ظہر ادا کرے اور عصر کی نماز اس وقت ادا کرے جب دھوپ زمین سے واپس ہونا شروع ہو اور رات کی آمد کے وقت مغرب ادا کرے اور مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ ستارے ظاہر ہو جائیں۔ اور نمازِ عشاءؔ رات کے پہلے حصہ میں ادا کرے۔ اور اس کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو تو نماز کے لئے لپک کر پہنچے اور نماز جمعہ کے لئے جاتے وقت غسل کرے۔

(۱۸) وامره ان يأخذ من المغانم خمس الله۔

(۱۸) اور اسے حکم دیا ہے وہ مالِ غنیمت میں سے اللہ کا مقرر کردہ خمس وصول کرے

(۱۹) وما كتب على المؤمنين في الصدقة من العقار عشر ما سقى البعل وما سقت السماء۔ وعلى ما سقى الغرب نصف العشر۔

(۱۹) اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو فرض کیا ہے اسے وصول کرے، جس کی تفصیل اس طرح ہے: جس زمین کو دریا یا بارش نے سیراب کیا ہو اس کی پیداوار کا 1/10 حصہ۔ اور جس کو ڈول (مصنوعی آبپاشی) سے سیراب کیا گیا ہو اس کی پیداوار کا 1/20 حصہ۔

وفي كل عشر من الابل شاتان
وفي كل عشرين من الابل اربع شياه
وفي كل اربعين من البقر بقرة۔
وفي كل ثلاثين من

ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں۔
اور ہر بیس اونٹوں پر چار بکریاں۔

البقر جذع او جذعة	اور ہر چالیس گائیوں پر ایک گائے۔
وفى كل اربعين من الغنم سائمة شاة.	اور ہر تیس گائیوں پر ایک نر یا مادہ یک سالہ بچہ۔ اور ہر چالیس چرنے والی بھیڑوں پر ایک بکری۔
فانها فريضة الله التى افترض على المؤمنين فى الصدقة فمن زاد خيرا فهو خير له۔	زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ اللہ تعالٰے کا مقرر کردہ ضابطہ ہے جو اس نے اپنے بندوں پر نافذ کیا ہے جو شخص اس سے زیادہ دے تو وہ خود اس کے لئے بہتر ہے
(۲۰) وانه من اسلم من يهودى او نصرانى اسلامًا خالصا فانه من المؤمنين له مثل ما لهم وعليه ما عليهم۔	(۲۰) یہ کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی مخلصاً طور پر مسلمان ہو جاتے اور دین اسلام اختیار کرلے تو وہ مومنوں میں سے ہوگا۔ اس کے وہی حقوق ہونگے جو اہل ایمان کے ہوتے ہیں اور اس کے فرائض بھی انہی جیسے ہوں گے۔
ومن كان على نصرانيته او يهوديته فانه لا يفتن عليها۔	اور جو اپنی نصرانیت یا یہودیت پر قائم رہے تو اس کو اس کے دین سے پھیر کے لئے سختیوں میں نہیں ڈالا جائے گا۔
وعلى كل حالم ذكر او انثى حر او عبد دينا رواف او عرضه ثيابا۔	اور ہر بالغ مرد یا عورت آزاد یا غلام سے ایک پورا دینار یا اسکی قیمت کے مساوی کپڑے بطور جزیہ وصول کئے جائیں گے۔
فمن ادى ذلك فان له ذمة الله وذمة رسوله ومن منع ذلك فانه عدو لله ورسوله وللمؤمنين جميعًا۔	جو شخص یہ (جزیہ) ادا کرے گا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہوگا۔ اور جو اس کو دینے سے انکار کرے گا تو وہ اللہ، اس کے رسول اور مومنین، سب کا دشمن سمجھا جائے گا۔

(بشکریہ: تنظیم اصلاح وخدمت حیدرآباد، سندھ)

THE ROARING LION OF AGRO-CHEMICAL INDUSTRY

BUBBER SHER UREA ®

THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS, AND THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS WELL.

AT DAWOOD HERCULES WE DO THINGS WELL ! RIGHT FROM OUR INCEPTION 12 YEARS AGO WE'VE BEEN ENGAGED IN A TREMENDOUS OUTPUT, ENSURING BETTER AND HEALTHIER CROPS AND STRENGTHENING THE NATIONAL ECONOMY. DURING THIS TIME WE'VE :

a. PRODUCED 4,000,000 TONS OF BUBBER SHER UREA.
b. SAVED MORE THAN US $ 750,000,000 IN FOREIGN EXCHANGE FOR PAKISTAN.
c. CONTRIBUTED RS. 2000,000,000 TO THE NATIONAL TREASURY IN THE FORM OF DEVELOPMENT SURCHARGE, DUTIES AND TAXES.
d. SAVED FERTILIZER SUBSIDY WORTH RS. 3000,000,000 IN OUR PRODUCTION WHICH WAS USED BY THE GOVERNMENT TO SUBSIDIZE FERTILIZER PRICES, GIVING AN ENORMOUS BENEFIT TO THE FARMER.

BROADLY SPEAKING WE ARE COMMITTED TO A BETTER QUALITY OF LIFE FOR OUR PEOPLE AND WE ARE DEVOTING OUR VAST TECHNOLOGICAL RESOURCES AND AGRO-CHEMICAL KNOW-HOW TO PROVIDING A VITAL INPUT FOR DEVELOPING HEALTHIER CROPS.

WE FEEL PROUD OF THESE ACHIEVEMENTS, AND SHALL CONTINUE TO PLAY OUR KEYROLE IN THE DEVELOPMENT OF AGRICULTURE AND ECONOMY OF PAKISTAN.

dh CHEMICALS

DAWOOD HERCULES CHEMICALS LIMITED
MAKERS OF BUBBER SHER UREA

DAWOOD CORPORATION LIMITED
DISTRIBUTERS OF BUBBER SHER UREA

Promoters

رفتارِ کار

لاہور میں
تربیّت و تزکیہ اور توسیعِ دعوت کے نئے پروگرام

مرتّب : چوہدری غلام محمّد

اس پُرفتن اور پُرآشوب دور میں جبکہ معاشرے کی عظیم اکثریت حبِّ عاجلہ میں گرفتار اور فکرِ آخرت سے کلیتہً بے نیاز زندگی بسر کر رہی ہے۔ محض رضائے الٰہی اور نجات اُخروی پر مبنی خالص اسلامی دعوت کا علمبردار بننا اور اس کے نفوذ کے لئے ایثار و قربانی اور محنت و جانفشانی سے کام لینا اصحابِ عزم و ہمت کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیقِ خصوصی اور تائید و نصرت سے رفقائے تنظیم اسلامی نے اس راستہ پر پیشقدمی کا عزم کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے ترک و اختیار اور انفاقِ مال و جان کا عہد کیا۔ تاہم ہر چہار سو ترغیباتِ شیطان و نفس کی بہتات ہے۔ بعض اوقات ماحول کی ناموافقت بھی حوصلہ شکن ہو جاتی ہے۔ غفلت اور تن آسانی کے پردے بھی حائل ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ رفقائے تنظیم اسلامی اللہ تعالیٰ سے اپنے اس عہد و پیمان کو تازہ کرتے رہیں۔ جس کا اقرار انہوں نے پورے شعور و ادراک کے ساتھ تنظیم اسلامی میں شمولیت کے وقت کیا تھا اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بھرپور محنت و کوشش ضروری ہے۔ لہٰذا یہ محسوس ہوا کہ رفقائے تنظیم میں غور و فکر اور خود احتسابی کی دعوت راسخ ہونی چاہیئے تاکہ وہ اپنی کوتاہیوں کے احساس پر سنجیدہ خاطر ہوں اور تلافیٔ مافات کی فکر کریں اور اگر کسی پہلو سے پیش قدمی کی توفیق نصیب ہوئی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور مزید توفیق کے لئے دست بدعا رہیں۔ مزید برآں انکی عملی تربیت کے لئے یہ ضروری محسوس ہوا کہ وہ اپنے عزیز و اقارب اور حلقۂ تعارف میں دین کی بنیادی دعوت اور تنظیم اسلامی سے اپنے تعلق کا واشگاف اظہار کریں۔ دعوت الی الخیر کی اس محنت سے اپنی تربیت اور پیش رفت کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ اور ملک و

ملت کی خیر خواہی کا بھی کچھ حق ادا ہو سکے گا۔ علاوہ ازیں راہ حق کے مسافر کی اصل پونجی تو تعلق باللہ کی وہ کیفیت خصوصی ہے۔ جس کی بدولت بندگان خدا حوصلہ شکن مراحل میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نامساعد حالات میں بھی کیف و سرور محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے دین میں اس کے لئے نمازوں میں اہتمام اور خشوع و خضوع کی تلقین ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے رفقائے تنظیم اسلامی کو مندرجہ ذیل پندرہ روزہ پروگرام دیا گیا تھا۔

۱۔ روزانہ قبل از نماز فجر (قبل از اذانِ فجر زیادہ مناسب ہوگا) عہدنامۂ رفاقت تنظیم اسلامی کا باقاعدہ بغور مطالعہ فرمائیں اور اس کے اجزا پر شق وار غور و تدبر کریں۔ اپنے عہد کی پاسداری کے لئے جو کچھ ہو سکا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ اپنی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں پر ندامت کے آنسو بہائیں۔ الحاح و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہوں۔ دوبارہ عہد کریں اور آئندہ کے لئے عزم مصمم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استقامت کی خصوصی دعا کریں (عہدنامہ رفاقت تنظیم اسلامی درج ذیل ہے:

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

- میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔
- میں اللہ تعالیٰ سے اپنے (آج تک کے) تمام گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں۔ اور آئندہ کے لئے، خلوصِ دل کے ساتھ اس کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔

میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ:

- اُن تمام چیزوں کو ترک کر دوں گا جو اُسے ناپسند ہیں
- اور اُس کی راہ میں مقدور بھر جہاد کروں گا
- اور اُس کے دین کی اقامت اور اُس کے کلمہ کی سربلندی کے لئے اپنا مال بھی صرف کروں گا اور جان بھی کھپاؤں گا۔

اور اسی مقصد کی خاطر
مَیں امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد سے بیعت کرتا ہوں کہ:

- ان کا ہر حکم سنوں گا اور مانوں گا جو شریعت کے دائرے سے باہر نہ ہو۔
خواہ تنگی ہو خواہ آسانی
خواہ میری طبیعت آمادہ ہو خواہ مجھے اس پر جبر کرنا پڑے، اور
خواہ دوسروں کو مجھ پر ترجیح دی جائے!
- اور یہ کہ نظم کے ذمہ دار لوگوں سے ہرگز نہیں جھگڑوں گا،
- اور یہ کہ ہر حال میں حق بات ضرور کہوں گا۔

—— اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرونگا۔

- مَیں اللہ ہی سے مدد اور توفیق کا طالب ہوں کہ وہ مجھے دین پر استقامت اور اس عہد کے پورا کرنے کی ہمت عطا فرمائے،

۲ - نمازیں تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

۳ - اپنے عزیز و اقارب - احباب اور حلقہ تعارف میں سے کم از کم پچیس حضرات کے نام خطوط ارسال فرمائیں - جن میں دین کی دعوت کے علاوہ اس کے تقاضوں پر خود کاربند ہونے کے عزم مصمم کا اظہار ہو۔

لاہور اور اس کے گرد و نواح میں اس پندرہ روزہ لائحہ عمل پر عمل درآمد کے لئے خصوصی محنت کی گئی اور الحمد للہ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے - اکثر رفقاء نے از خود اس کو چالیس روز تک مکمل کرنے کا اہتمام کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب یہ ان کا معمول بن گیا ہے - بقیہ رفقاء بھی اس محنت اور تگ و دو کے طفیل اب نماز باجماعت سے کبھی محروم نہیں ہوتے - عہد نامۂ رفاقتِ تنظیمِ اسلامی پر غور و تدبر کا بھی اکثر رفقاء نے اہتمام کیا - توقع ہے کہ ذاتی جائزہ اور سحر خیزی کے اس اہتمام کی برکات کا بھی ظہور ہوگا۔ الحمد للہ کافی رفقاء نے عزیز و اقارب اور احباب کو دعوتی خطوط کی ترسیل کا اہتمام کیا - اس سے توسیعِ دعوت کا ایک سلسلہ جاری ہوا ہے - کافی وسیع حلقہ میں عہد نامۂ رفاقتِ تنظیم کا تعارف ہوا ہے - رفقاء کو جوابی خطوط موصول ہو رہے ہیں - اس طرح

خط وکتابت میں سوال وجواب کا ایک سلسلہ قائم ہوا ہے۔ جس کے نتیجے میں بعض نئے رفقائے کار بھی میسر آئے ہیں۔

لاہور کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی اس پندرہ روزہ پروگرام پر عمل درآمد کی کوشش کی گئی۔

گذشتہ ماہ کے دوران تنظیم اسلامی لاہور کے اسرہ مصطفےٰ آباد کے رفقاء نے ازخود غور وفکر کرکے اپنے علاقہ میں توسیع دعوت اور اپنی ذاتی تربیت کے بعض مفید پروگرام ترتیب دیئے۔ ان کی عملی تفصیلات طے کیں اور ان کی تکمیل کے لئے بھرپور محنت کی۔ اسرہ کے تمام رفقاء روزانہ سہ پہر کو کسی رفیق کے گھر جمع ہوتے اور مختلف دعوتی تحریروں والے کتبے اٹھا کر ملحقہ گلی بازار اور محلہ میں گشت کرتے۔ "تنظیم اسلامی کا تعارف اور انقلابی منشور" نامی پمفلٹ لوگوں میں تقسیم کرتے اور حسب ضرورت گفتگو کے علاوہ مختلف مقامات پر مختصر خطاب کا بھی اہتمام کرتے۔ محلہ کی ایک جامع مسجد میں اسرہ کے ایک نوجوان رفیق ہفتہ وار درس قرآن دیتے ہیں۔ رفقاء نے دعوتی مہموں کے ذریعہ اس کی کامیابی کے لئے بھرپور محنت کی اور اس مجلس کے شرکاء کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوگیا۔ صبح کے اوقات میں انہی رفقاء نے مرکز اور دوسرے اسرہ جات میں بعض رفقاء کے تعاون سے کئی ایک پُرہجوم دفاتر کے باہر تعارفی پمفلٹ کی وسیع بنیادوں پر تقسیم کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان رفقاء کی محنت کو قبول فرمائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے کسی بالاتر نظم سے ہدایات کا انتظار کئے بغیر خود ہی غور وفکر کرکے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے کام کرنے کے راستے تلاش کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح دست گیری فرمائی کہ مختلف موانعات اور عملی تجربات سے گذارتے ہوئے ان کو خوب سے خوب تر انداز کار سمجھائے۔ انہوں نے اپنی بھرپور ذاتی مصروفیات کے باوجود خدمت ودعوت دین کے لئے اپنے اوقات، محنت اور صلاحیتوں کے ایثار کی ایک قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔

اس سال کے دوران کراچی اور فیصل آباد کے مقامات پر دو علاقائی تربیتی اجتماعات کے انعقاد کا فیصلہ ہوا تھا۔ رفقاء سندھ اور بلوچستان کو اکتوبر کے دوران کراچی میں جمع ہونا تھا اور رفقائے پنجاب اور سرحد کے لئے اواخر دسمبر میں فیصل آباد کے مقام پر اجتماع کا اہتمام تھا۔ ابتدائی انتظامات مکمل ہوچکے تھے۔ لیکن کراچی میں

امن وامان کی مخدوش صورتِ حال کے پیشِ نظر وہاں کے اجتماع کو منسوخ کرنا پڑا۔ بعدازاں صورتِ حال کے کچھ بہتر ہونے پر دونوں علاقائی اجتماعات کے قائم مقام کے طور پر کراچی میں ۲۵ دسمبر تا یکم جنوری ایک کُل پاکستان تربیتی اجتماع کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔ اس کے لئے بھی انتظامات مکمل کرلئے گئے۔ ملک کے مختلف حصّوں سے رفقائے تنظیم اسلامی اس اجتماع میں شرکت کے لئے پابرکاب تھے کہ اچانک کراچی کے حالات کی دھماکہ خیز انتہائی اندوہ ناک اور تشویش انگیز صورتِ حال درپیش آگئی۔ اللہ تعالےٰ ہمیں معاف فرمائے انتہائی عجلت میں کل پاکستان تربیتی اجتماع طے شُدہ تاریخوں کے دوران ہی کراچی کی بجائے قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔

اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ یہ اجتماع بخیر وخوبی منعقد ہو چکا ہے۔ کراچی اور سندھ کے دوسرے مقامات کے رفقاء کو وہاں کے مخدوش حالات کی بنا پر رخصت دے دی گئی تھی اس کے باوجود کچھ رفقاء نے شرکت کا اہتمام کیا۔ تاہم ملک کے دوسرے مقامات سے رفقاء کی معتدبہ تعداد اس میں شریک ہوئی۔ اس ہفت روزہ تربیتی اجتماع کے پروگرام کے غالب حصہ پر وطنِ عزیز کو درپیش شدید خطرات کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ روزانہ بعد نمازِ عشاء قریباً دو گھنٹے کی نشست میں جناب امیر تنظیم اسلامی نے اپنی تازہ تالیف "استحکام پاکستان" کا اجتماعی مطالعہ کرایا۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں استحکام پاکستان کی بنیادوں کی وضاحت فرمائی اور حاضرینِ مجلس کے استفسارات کے جوابات ارشاد فرمائے۔ کراچی میں مسلمانوں کی باہمی قتل وغارت گری اور بہیمانہ تشدد کے واقعات اور ملک کے دوسرے حصوں میں بدامنی اور بے سکونی کی کیفیات اسی سلسلۂ عذاب کی کڑیاں معلوم ہوتے ہیں جو اللہ تعالےٰ سے کئے گئے عہد وپیمان کو پاؤں تلے روندنے اور اس کے احکام سے روگردانی کرنے کی پاداش میں قوموں کا مقدّر بن جاتا ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ابنائے قوم کو متنبّہ کیا جائے کہ لوگ انفرادی اور اجتماعی سطح پر توبہ کریں۔ تلافیٔ مافات کے لئے خلوصِ دل سے محنت کریں۔ شاید ہمیں معاف کردیا جائے۔ اس ہفت روزہ اجتماع کے دوران رفقائے تنظیم اسلامی بیس پچیس رفقاء پر مشتمل گروپس کی شکل میں نکلے۔ مختلف کتبے اور پلے کارڈز تیار کروائے گئے تھے۔ جن پر مناسب تحریریں درج تھیں۔ کراچی میں لوگوں پر جو قیامت

صغریٰ گذر گئی ہے، اس کے بارہ میں بھی ایک دو ورقہ تیار کروالیا گیا تھا۔ لاہور کے تیئیس حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا رفقائے تنظیم اسلامی کے آٹھ گروپ چار دن روزانہ صبح نو بجے سے سہ پہر تک لاہور کی گلیوں، سڑکوں، بازاروں، مارکیٹوں اور دیگر پُر ہجوم مقامات پر توبہ کی منادی کرتے پھرتے رہے۔ دو ورقہ وسیع حلقہ میں تقسیم ہوا۔ میثاق کے حالیہ شمارہ میں جناب امیر تنظیم اسلامی کے سندھ کے بارہ میں مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اسی حوالہ سے لوگوں کو متوجہ کیا گیا کہ سلطنت خداداد پاکستان میں اس راستہ سے نقب لگ رہی ہے اور برصغیر پاک و ہند میں ملّتِ اسلامیہ کا مستقبل سخت خطرے میں ہے۔ اس مہم کے دوران رفقائے تنظیم اسلامی نے جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے اجتماعات میں مختصر خطاب بھی کیا۔ ان چار دنوں کے دوران روزانہ رفقاء کے تمام گروپس قبل از نمازِ عصر مسجد شہداء چوک ریگل میں پہنچتے رہے۔ جہاں جناب امیر تنظیم اسلامی کا عصر تا مغرب خطابِ عام ہوتا رہا۔ جس میں ہم پر عذاب الٰہی کی موجودہ صورت اور اس سے نجات کی سبیل ہی کا مفصل و مدلل بیان ہوتا تھا۔ اس تربیتی اجتماع کے آخری روز رفقائے تنظیم اسلامی لاہور کے گرد و نواح میں بعض مقامات پر توبہ کی منادی کے لئے نکلے۔ چنانچہ اس روز فیصل آباد، گوجرانوالہ، نندی پور، وزیر آباد، گجرات، مریدکے اور کاموں کی کے مقامات پر صبح سے شام تک بھرپور کام کیا گیا۔ اس تربیتی اجتماع کے دوران اس مہم سے اصل مقصود تو ابنائے وطن کو متنبہ کرنا تھا۔ تاہم اضافی طور پر تربیتی نقطۂ نظر سے بھی اس سے بہت فوائد حاصل ہوئے۔ رفقاء رابطہ عوام کی اس وسیع مہم کے تجربہ سے گذرے ہیں۔ مختلف سطح پر عملی معاملات کی تربیت ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ہم پر فضل ہوا کہ نظم کی ہمارے ہاں جو خصوصی اہمیت بیان ہوتی تھی اس کا عملی مظاہرہ بھی سامنے آگیا۔ فللہ الحمد۔

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ اپنا پسندیدہ بندہ بننے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اس ملک میں اقامتِ دین کی جدوجہد کی کامیابی کے لئے راستہ کشادہ کرے۔ آمین۔

"سندھ کا مسئلہ" اور قارئین

وطنِ عزیز میں گذشتہ چالیس برس سے ایک استحصالی گروہ کسی نہ کسی شکل میں برسرِ اقتدار چلا آرہا ہے۔ حکومت کا ظاہری چہرہ خواہ فوجی ہو یا سویلین اُس طبقے کے مفادات بہرحال محفوظ رہتے ہیں۔ اسی طبقے کی ظاہری اور پوشیدہ کاوشوں اور سازشوں کی وجہ سے آج چالیس برس گزرنے کے باوجود نہ ملک کا دستوری مسئلہ حل ہو سکا اور نہ ملکی معیشت اُن بنیادوں پر استوار ہو سکی جس سے عوام کی وہ توقعات پوری ہوتیں جو ایک اسلامی فلاحی ریاست کا خاصہ ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں سیاسی اور معاشی حقوق سے محرومی کے اسی ردعمل کو استعمال کرتے ہوئے بھارت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو دولخت کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ آج پھر سندھ میں وہی صورت حال ہمارے ملی وجود کے لئے ایک مہیب خطرہ بن کر سامنے کھڑی ہے۔

روزنامہ "جنگ" میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے قلم سے سندھ کی معاشی اور سیاسی محرومیوں کے تجزیے پر مشتمل سلسلۂ مضامین کی اشاعت کے بعد ہمیں ملک بھر سے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں مختلف علاقوں اور مختلف ذہنی سطح کے افراد نے اپنے اپنے انداز میں ردعمل کا اظہار کیا ہے چونکہ اکثر مراسلہ نگار حضرات کے سامنے پورا سلسلہ مضامین نہیں تھا بلکہ انہوں نے کسی ایک قسط یا اُس کے کسی ایک نکتے سے متاثر ہو کر قلم اٹھایا ہے اس لئے وہ بالعموم زیرِ بحث مسئلے سے بحیثیتِ مجموعی انصاف نہیں کر سکے۔ لیکن بہرحال ان خطوط کے مطالعے سے معاشرے کے مختلف طبقوں کی محرومیوں اور اُن کے نقطہ ہائے نظر کو سمجھنے میں بھرپور مدد ملتی ہے ہمیں نہ ان تمام خطوط کے مندرجات سے مکمل اتفاق ہے اور نہ ان کی اشاعت کا مقصد کسی کی دل آزاری ہے ان خطوط کی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ عوامی سطح پر ایک ایسی بحث کا آغاز ہو جو ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھنے میں مدد دے اور نتیجۃً مسئلے کا کوئی مثبت حل سامنے آئے۔ ہمیں اُمید ہے کہ قارئین 'میثاق' اسی جذبے سے ان کا مطالعہ کریں گے۔

زیرِ بحث سلسلہ مضامین اب "استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ" کے عنوان سے کتابی صورت میں انتہائی رعایتی قیمت پر شائع کر دیا گیا ہے۔ ہم جملہ قارئینِ "میثاق" اور مراسلہ نگار حضرات کی خدمت گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس بحث میں شریک ہوں (ادارہ)

اندرونِ سندھ اسلامی جمعیت طلبہ کا خاتمہ کیسے ہوا؟

ڈاکٹر صاحب! آپ کا نام تو زمانہ طالب علمی میں اکثر سنتا تھا جب میں اور میرے ساتھی بھی اسی تنظیم میں شامل تھے جس کے آپ بھی سابق ناظم اعلیٰ رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر اسٹڈی سرکلز اور تربیت گاہ میں آپ کا کسی نہ کسی

تعلق سے ذکر کیا جاتا تھا۔ یا کبھی سکھر کی مسجد میں آپ کے درسِ قرآن کا اشتہار پڑھتے تھے کیونکہ قریب ہی خکار پور (سندھ) میرا آبائی گاؤں ہے لیکن ناظمین آپ کے پروگرام اپنے یہاں رکھوانے میں منع کرتے تھے۔

اس وقت ہم بھی جذباتی اور ایمان کے جذبہ سے سرشار تھے اور ؎

تم دن کو اگر رات کہو رات کہیں گے　　جو تم کو ہو پسند وہی بات کہیں گے

کا فلسفہ کارفرما رہتا تھا۔ روزنامہ "جنگ" میں مسئلہ سندھ پر آپ کے مضامین پڑھ کر سوچتا ہوں کہ آپ نے پنجاب میں رہ کر اتنی صاف اور واضح بات لکھی ہے جو شاید سندھ کے کسی سچے قوم پرست کو بھی معلوم نہ ہوگی۔

ڈاکٹر صاحب! میں بھی اسی تنظیم کا سابق رکن اور ڈویژن کا ناظم اور مرکزی شوریٰ کا رکن رہا ہوں۔ آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "صوبہ سندھ کے دورے میں ایک بات جو میرے سامنے آئی کہ اسلامی جمعیت طلبہ کا وجود بالکل نیست و نابود ہو گیا ہے۔" اور میں تو یہاں تک کہوں گا کہ جب تک پاکستان قائم ہے شاید صوبہ سندھ میں کسی بھی اسلامی تنظیم کا وجود میں آنا ایک معجزہ ہوگا۔ میں تمام اسباب آپ کے سامنے مختصر انداز میں پیش کر رہا ہوں کیا عوامل تھے جو اس نوجوان تحریک کو ختم کرنے کا سبب بنے۔

صوبہ سندھ میں جمعیت کے کام کی ابتدا رجناب نعمان بھٹو صاحب نے کی۔ انہوں نے پورے سندھ میں اکثر و بیشتر مقامات پر یونٹ قائم کیے۔ اس وقت تک قوم پرستی کی تحریک بھی اتنی عروج پر نہ تھی۔ اس شخص نے اپنی صلاحیتوں کو خوب استعمال کیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے پہلے صوبہ سندھ میں صرف جہاں مہاجروں کی اکثریت ہوتی تھی وہیں پر کام ہوتا تھا۔ اور ناظم صوبہ بھی مہاجر ہوتا تھا۔

نعمان بھٹو نے جس انداز سے محنت کی حیدر آباد جمعیت میں مہاجر لابی اسے برداشت نہ کر سکی۔ اس پر نماز نہ پڑھنے کا الزام لگا کر جبراً استعفیٰ لیا گیا۔ کچھ عرصہ تک انصاف کی اپیل کرتا رہا۔ لیکن مرکز کے فنڈز اور قیادت پر ان لوگوں کا قبضہ تھا اس لئے ناکامی ہوئی۔ ان کی جگہ سکھر کے مہاجر سرفراز کو ناظم صوبہ مقرر کیا گیا۔ (نعمان بھٹو کا تعلق بھی شکار پور سے تھا) یہ باتیں میں اس لئے صاف صاف لکھ رہا ہوں کہ ہمارے ساتھیوں نے اس کام کو بڑھانے کے لئے خون تک دیا تھا۔

انہی دنوں جب "جیے سندھ تحریک" قائم ہوئی تو ایک بار پھر ایک سندھی گلزار منگھی کو ناظم بنایا گیا بدقسمتی سے وہ بھی شکار پور سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بے چارے نے بھی اچھی ابتدا کی۔ یونیورسٹی میں کام کرنے کی کوشش کی۔ قوم پرستوں نے پلاننگ کر کے اس کو مارا اور اس کو مرا ہوا سمجھ کر چھوڑ گئے۔ اس بے چارے نے ہسپتال کے بیڈ سے پریس کانفرنس کی اور اسلامی نظام کے نفاذ اور پاکستان کو مستحکم کرنے کا اعادہ کیا۔ اور کام بڑھانے کے لئے کچھ سندھ کے جائز حقوق کی بات بھی کہدی۔ اس کی پاداش میں اسے جمعیت سے نکالا گیا۔ یہ انعام ملا اس نوجوان کو جو ہفتہ بھر تک موت و حیات کی کشمکش میں رہا۔ یہ قوم پرستوں کی تحریک کے

ابتدائی دن تھے۔ جیسے جیسے حکمرانوں کی پالیسیاں بدلتی گئیں، ان کا کام میں مضبوطی آگئی اور وہ منظم پلاننگ کے ساتھ نمایاں ہوگئے۔ قوم پرستوں نے مزدوروں، دانش وروں، طالب علموں اور بچوں میں کام کرنے کے لیے مختلف رسائل نکالے اور منظم ہوکر مختلف ناموں کے ساتھ میدان میں کام کرنے لگے۔

اسی دوران جمعیت سندھ کو بھی اچھی قیادت میسر آگئی۔ جناب انور محمد پٹھان (سندھی) نے صوبہ سندھ کے ایک ایک چپہ پر جہاں کوئی طالب علم تھا، یونٹ قائم کیا۔ شاید ہی کوئی قوم پرست بھی وہاں پہنچا ہو۔ خاص طور پر ضلع تھرپارکر میں۔ اس کے ساتھ ایک بہت اچھی قسم کی ٹیم تھی ساتھیوں کی جن کے نام نہ گنوانا ان کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ ان میں ڈاکٹر عبدالقادر سومرو، ارشاد بروھی، ارباب عبدالمالک، نعیم انور خاصخیلی، رفیق اور حسن خاصخیلی وغیرہ شامل تھے۔ پہلی مرتبہ اسٹوڈنٹ لیول پر جمعیت نے سندھی رسالہ "شاگرد" کے نام سے نکالا جس کی وجہ سے قوم پرست بھی "سندھی شاگرد" نکالنے پر مجبور ہوگئے۔

بچوں میں قوم پرست ایک تنظیم "گل جھڑا پارڑا" یعنی "پھولوں جیسے بچوں" کے نام سے کام کر رہے ہیں اور رسالہ بھی اسی نام سے "سندھی ادبی بورڈ" کے ماتحت نکالتے رہے ہے جواب تک "گل ٹل" (پھول اور پھلواری) کے نام سے نکلتا ہے۔ ہم نے ان کے انداز سے "معصومین جی مجلس" یعنی "معصوموں کی مجلس" اور "گلڑا" یعنی "پھلواری" کے نام سے رسالہ شائع کیا اور اچھے نتائج نکلے۔ ہمارے رسالے کی مارکیٹ بھی دن بدن بڑھتی گئی اور مخالفت بھی بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ شکارپور، شہداد کوٹ، جیکب آباد، کندھ کوٹ، قمبر، لاڑکانہ، چانڈکا میڈیکل کالج نواب شاہ، ٹنڈو آدم، سانگھڑ، مورو اور خیرپور کے کالجوں میں جمعیت نے انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ جس پر تمام سیاستدان اور قوم پرست حیران و پریشان ہوگئے۔

آج مجھے وہ دن بھی یاد آتا ہے جو ہماری زندگی کا تاریخی دن تھا۔ جب سندھ یونیورسٹی میں اللہ اکبر، پاکستان زندہ باد کے نعرے سُننے اور لگائے جا رہے تھے۔

اس کے بعد صوبہ سندھ کے سارے قوم پرست جمع ہوگئے اور انہوں نے بڑی محنت اور پلاننگ سے ہمیں چند ووٹوں سے شکست دی لیکن یہ پندرہ دن پاکستان کی عمر کے سنہری دن تھے۔ کیونکہ یہ واحد ادارہ ہے جہاں پر قومی پرچم جلانے، پاکستان کو توڑنے کی پلاننگ ہوتی ہے، مذہب کے بارے میں طنزیہ لطیفے گھڑے جاتے ہیں۔ ہماری کوششوں پر جئے سندھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر قادر بخش کاندھڑو کو کہنا پڑا تھا کہ ہمیں بھٹو کی پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطرہ نہیں بلکہ اصل خطرہ جمعیت والوں سے ہے۔

پندرہ دن کی سزا جو ہمیں نعرے لگانے پر ملی۔ مجھے آج بھی بھائی عبدالحمید بلوچ کی تصویر یاد آرہی ہے جسے مار مار کر بیہوش کیا گیا اور دانت توڑے گئے۔ اشتیاق صدیقی کی ٹانگ توڑ دی گئی۔ ہمارے دوستوں کی کتابوں تک کو جلایا گیا۔ معاشی اور اخلاقی طور پر لوٹا گیا۔ اگر یہ جلاؤ گھیراؤ اور ظلم جامعہ کراچی یا جامعہ پنجاب میں ہوتا تو ان کے گھر والوں تک کی امداد کی جاتی، جب تک وہ ہسپتال میں رہتے اُن کا خرچ برداشت کیا

جاتا۔ لیکن ہم بے چارے بے وقوف سندھی تھے جن کی عیادت کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

ہم جنہوں نے اپنے خاندان، دوستوں اور محلے داروں کی نفرت اور دشمنیاں مول لی تھیں ——— سابق ناظم صوبہ سندھ نور محمد پٹھان اپنی انجینئرنگ کی تعلیم کو پورا نہ کر سکے تعلیم کے لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے۔ آجکل وہی ذہین، بُردبار، نڈر نوجوان کس مپرسی کی حالت میں اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہا ہے۔ باقی تمام افراد قوم پرست بن چکے ہیں۔

اُن کے بعد بھی اس کام کو بڑھانے کے لیے پلاننگ کی گئی۔ شاید وہی آخری پلاننگ تھی۔ لیکن جمعیت کی مہاجر لابی نے آنکھیں بند کر کے اور تعصب کی آگ میں موقع گنوا دیا۔

صوبائی شوریٰ میں طے کیا گیا اور یہ بندہ گناہگار بھی شاملِ جُرم تھا کہ ایک پوسٹر اور سندھ کے مسائل پر ایک کتابچہ شائع کیا جائے جن میں جائز مسائل کو اپنے پلیٹ فارم سے پیش کرنا مقصود تھا۔ وہی باتیں تھیں جو آج کل انہی کی زبانوں سے سن رہے ہیں۔ اور آپ نے بھی لکھا ہیں:۔

۱۔ سندھ کی زمینوں پر سندھیوں کا حق تسلیم کیا جائے۔
۲۔ ریٹائرڈ فوجیوں سے زمین واپس لی جائے۔ ۳۔ خواتین یونیورسٹی کا قیام
۴۔ جھوٹے ڈومی سائل کا خاتمہ ۵۔ سندھی زبان کو صوبائی زبان قرار دینا۔
۶۔ کیڈٹ کالج کا قیام (جو منظور ہوگیا)۔ ۷۔ سکھر میں انٹر بورڈ کا قیام (جو منظور ہوگیا)۔
۸۔ انسٹی ٹیوٹ آف لطیف کا اجراء (جو منظور ہو چکا ہے)
۹۔ کراچی ٹی وی سے بامقصد سندھی پروگرام

اور کچھ دوسرے مسائل بھی۔ بڑی بحث تمحیص ہوئی۔ ہم نے وہاں پر اکثریت سے یہ باتیں منظور کروائیں۔ ان کو دلائل سے قائل کیا۔ پلاننگ کر کے پورے سندھ میں پوسٹر لگانا شروع کیا لیکن مہاجروں نے تعاون نہ کیا، پوسٹر بھی نہیں لگائے۔ سندھی بے وقوف جن میں ہم بھی شامل تھے۔ جامعہ سندھ تک پوسٹر لگا آئے۔

اس پر قوم پرستوں نے بیانات دیئے کہ یہ دُورخی پالیسی ہے (جیئے سندھ فیڈریشن کا بیان)۔ جمعیت کے مہاجر اور پنجابی آبادکاروں نے تردید کی کہ اس پوسٹر کا جمعیت سے کوئی واسطہ نہیں (حیدرآباد جمعیت کا بیان)۔ تمام پنجابی لڑکے جمعیت سے نکل گئے اور نیو سندھی سٹوڈنٹ آرگنائزیشن میں شامل ہوگئے جس کا سیکرٹری جنرل پرویز اقبال (مورو) میں امیدوارِ رکنیت تھا۔ ان لوگوں نے (حیدرآباد کے مہاجر ارکانِ جمعیت) حیدرآباد شہر حتیٰ کہ صوبہ سندھ کے دفتر تک سے پوسٹر اپنے ہاتھوں سے پھاڑے اور ہم سب پر جیئے سندھ کا حمایتی ہونے کا الزام لگایا۔

ایک بار پھر فوری طور پر سندھ کے ناظم کو جو سندھی تھے تبدیل کر کے ایک مہاجر کو ناظم صوبہ بنایا گیا۔ اس

طرح ایک طرف ان کی جمعیت بچ گئی اور دوسری طرف قوم پرستوں نے خوشی کا جشن منایا اور پروپیگنڈا کیا کہ مہاجر سندھیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔

پھر ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُن پوسٹروں کو جلایا اور آنسو بہائے اور ان لوگوں سے ہمیشہ کیلئے ناطہ توڑ لیا۔ پھر ۵ .بی.بی.ایم نے حیدرآباد جمعیت کے کارکن کو ہلاک کیا اور آئے دن کراچی میں اُن کو تنگ کر رہی ہے۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ صوبہ سندھ میں سندھی زبان بولنے والا اُن کو ناظم صوبہ نہیں مل رہا اگر کوئی سندھی بنایا جاتا ہے تو اس کی زبان قوم پرستوں سے زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اگر کچھ انگلیوں پر گنے جانے والے لڑکے ہیں تو صرف والدین کی وجہ سے۔ ورنہ اُن کے دل و دماغ بھی سندھی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب! یہ ہے ہماری داستان — آج تک میرے دل میں ایک طوفان چھپا ہوا تھا۔ وہ آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ آپ غور کریں اگر آج صوبائی اجتماع میں آنے والے وہ تین ہزار سندھی نوجوان بھی اس تحریک کے ساتھ ہوتے تو وہ صورتِ حال نہ ہوتی جو آپ نے بیان کی ہے۔ اگر ان مسائل کو ہم اپنے پلیٹ فارم سے بیان کرتے تو آج ہمیں آنسو نہ بہانے پڑتے۔ آج آپ دن میں بھی چراغ لے کر ان افراد کو ڈھونڈیں گے تو کوئی آپ کو نہ ملے گا۔ کوئی اس ملک کے تحفظ کے لئے تیار نہ ہوگا

آج مجھے ایک بات یاد آئی ہے کہ اسی پوسٹر "گناہ" پر سندھ میں سے ریٹائرڈ فوجیوں سے زمین واپس لینے پر" ان کے بڑے لیڈر سے بڑی گرما گرم ہوئی۔ بات فتوٰی تک جا رہی تھی۔ لیکن چند ماہ پہلے تحریکِ اسلامی پاکستان کے امیر نے مطالبہ کیا کہ غیر سندھی زمینیں خالی کر دیں۔ اس پر ہمارے ایک ساتھی نے کہا کہ ابھی بات کنفیڈریشن تک پہنچی ہے اس میں بھی بھلا ہے۔ خدانخواستہ کل "سندھودیش" تک مسئلہ پہنچا تو آپ کنفیڈریشن پر آمادہ ہو جائیں گے۔ آج ہی کچھ نہ کچھ پلاننگ کریں لیکن خوش فہمیاں زیادہ ہیں۔ اب تو ہمارے پرانے ساتھی پچھتاوا کرتے ہیں کہ نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ہی ملی۔

آپ کو تو معلوم ہوگا جب لوگ تعلیم ختم کر کے عملی زندگی میں روزگار کے لئے نکلتے ہیں تو کیا حال ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کو تو یہ سزا اس لئے مل رہی ہے کہ ہم نے اسلام اور پاکستان کے لئے سندھ میں کیوں کام کیا۔ جو لوگ پاکستان کو ختم کرنے کے لئے کام کرتے ہیں ان کو اچھی سی اچھی نوکریاں ملتی ہیں۔ پی پی پی کے لوگوں کو بلا مشکل ملتی ہیں۔ وڈیروں مسلم لیگیوں کے نوجوانوں کو اپنی پسند کی نوکریوں کی پیشکش ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے لئے تو انہوں نے بھی دروازہ بند کر رکھا ہے۔ اگر نوکری کی بات کریں تو غصہ سے لاحول پڑھتے ہیں اور سفارش کی لعنت پر حدیثیں سناتے ہیں۔

لیکن ڈاکٹر صاحب! ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جماعت اسلامی سندھ کی ایک اہم شخصیت کے داماد جو طالب علمی کے زمانے میں جیئے سندھ کے ساتھ تھے اور اخلاقی لحاظ سے بھی پست تھے۔ اُن کو گورنر کے ذریعے پی آئی اے،

پاک سٹیل اور واٹر سیوریج میں نوکریاں دلائی گئیں جو مار کھاتے رہے وہ آج بھی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ جب پانچ سال قبل انہیں بتایا کہ آپ کے فلاں بھتیجے مخالفوں کے کیمپ میں ہیں تو حضرت فرماتے تھے کہ حضرت نوحؑ کی اولاد اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹوں کی مثال دیکھئے اور پڑھئے

ہم نے بھی اپنے کم عقلی کے دور میں، اپنے دوست، رشتہ دار، سب دشمن بنا ڈالے۔ اب وہ جہاں بھی دیکھتے ہیں طنزیہ مسکراہٹ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں دنیا اور آخرت کی بھلائی کہاں گئی؟

عبدالغفار ایڈووکیٹ، راولپنڈی

علمائے کرام میدانِ عمل میں آئیں

سہراب گوٹھ کراچی کے آپریشن کا میں بذاتِ خود چشم دید گواہ ہوں۔ اسلحہ اور منشیات کے لاتعداد ٹرک آپریشن سے پیشتر ہی وہاں سے نکال لئے گئے تھے۔ اور تمام ناجائز سامان کراچی کے "ڈالرایریا" (ڈیفنس) میں منتقل کر دیا گیا اپنے اصل مالکوں کے پاس۔ بقول طاہرہ ہت دکھاوے کا آپریشن ضرور ہوا۔ مگر گورنر سندھ کی کوسٹہ واپسی کے بعد آپریشن ایک یا دو عدد پستول وغیرہ تک ہی محدود رہا۔ مقامی اخباروں میں بھی اشارتاً ہی کچھ خبریں آپ نے پڑھی ہوں گی۔

خدارا آپ لوگوں (علمائے کرام) کو میدان عمل میں کود جانا چاہیئے۔ اب بھی وقت ہے۔ اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اس مصیبت کی ماری قوم کو متحدہ ہدایت دیں۔ اگر اس ملک کو بچانا ہے۔ ورنہ روس، بھارت اور امریکہ بھی اس نعمتِ خداوندی کو ہم سے چھین لینے کے درپے ہیں۔ سلامٌ علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ والسلام

دعاگو، محمد علی رضوی ایم بی بی ایس

کراچی کے فسادات۔ ایک جائزہ ایک تجزیہ

انتظامیہ کی طرف سے یہ باور کرانا کہ ہم بے بس ہیں اس لئے کہ تمام نفری سرحدوں پر ہے لہٰذا دفاع کے لئے انتظامیہ پر زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے اور اپنا انتظام خود کریں۔ اس چیز کا عملی مشاہدہ میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سُنا اور ہمارے محلّہ میں ایک میجر صاحب اپنی جیپ پر آئے۔ اس سے آدھ گھنٹہ پہلے یہاں زبردست فائرنگ وغیرہ ہوئی تھی۔ لہٰذا میجر صاحب نے کہا کہ بھئی ہم تو سڑکوں پر نمٹ لیں گے لیکن تم لوگ گلیوں میں تو خود ہی نمٹ لو۔ لوگوں نے کہا کہ جی ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے تو انہوں نے اپنی مثال دی کہ میرے ذاتی مصرف میں تین پستول ہیں تم لوگ رنگین ٹی وی اور وی سی آر رکھ سکتے ہو لیکن ... . اس قسم کے تجربات کے بعد پورے کراچی میں عدم تحفظ کا احساس پوری قوت کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا ہے جس کے گواہ یہاں کے پریس والے بھی ہیں۔ یہاں خون کی ہولی کھیلی گئی جبکہ لوگ اپنے

اپنے کام پر جا چکے تھے لہٰذا ایجنٹوں کی ایما پر بربریت کا بازار اچانک گرم ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے لاتعداد لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔ بے نظیر کے مطابق ۵۹۵ اور حقوقی صاحب کے بیان کے مطابق ۷۰۰ سے اوپر اموات ہوئی ہیں

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ فسادی خون ریزی کو رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اب تمہارے لئے ۴ بجے تک کوئی نہیں آئے گا اور ساتھ میں یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ اب دو گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اب ایک گھنٹہ رہ گیا ہے۔ اس چیز کا ذکر یہاں پریس میں آچکا ہے اور سیاسی جماعتوں کے نوٹس میں بھی ہے خود بے نظیر نے اپنے اس علاقے کے دورے کے بعد بیان میں ان واقعات کا ذکر کیا ہے۔

حالات کے اس پس منظر میں اب شدید تصادم کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس کے نتیجے میں صوبہ سرحد میں بے چینی اور شدید ردِ عمل کے امکانات مزید بڑھ جائیں گے۔ اور اس طرح پورا پاکستان خدانہ کرے خدانہ کرے جذبات کی اس تیز و تند سرخ آندھی کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ دشمنانِ پاکستان کے خواب انتہائی معمولی کوشش سے تیزی سے کامیابی کے منازل طے کرتے جائیں گے سامراجی ٹولہ کی پوری کوشش ہوگی کہ کراچی کے اوپر کاری ضرب لگا کر قومیتوں کو آپس میں ٹکراؤ اور سب سے بڑھ کر ملک کے سب سے بڑے صنعتی اور تجارتی مرکز کو جہاں تقریباً ملک کی ۶۰ سے ۷۰ صنعتیں ہیں اور درآمد برآمد تو ۱۰۰ میں سے ہوتی ہے اس طرح ملک کی معیشت کو تباہ و برباد کر دینا دشمن کا ہدف اوّل ہوگا۔

دشمن کون ہے۔ آیا ان سرگرمیوں کے پیچھے سندھو دیش تحریک کا ہاتھ کارفرما ہے یا غفار خاں یا ولی خان یا کوئی انتہا پسند مذہبی گروہ؟

موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر پورے پاکستان میں عام طور پر اور کراچی اور سندھ میں خاص کر اب کسی بڑی سازش سے پہلے ضروری ہے کہ اس درمیانی مدت میں بھرپور انداز میں پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے کام کیا جائے۔ لوگ اب زبانی جمع خرچ سے انتہائی متنفر اور بدظن ہو گئے ہیں۔ اس کشمکش کے نتیجے میں مختلف طبقاتی تضادات ابھر کر سامنے آئے ہیں اور سب کی دلیلیں اپنی جگہ درست ہی ہیں۔

ایک طبقہ کہتا ہے کہ مذہب کو تمام سیاسی جماعتیں اور سرکاری مشینری اپنی تقویت اور استحکام کے لئے استعمال کر رہی ہیں اور مسلسل کرتی چلی آرہی ہیں جس میں قرآن اور احادیث کے حوالے سے ہماری حق باتوں کو دبایا جا رہا ہے جب کہ درپردہ یہی اصل قوتیں ہیں جو اپنے ناجائز مفادات کے دوام کے لئے اسلام کو صرف نعرے کے طور پر استعمال کر رہی ہیں جس کا مظاہرہ پچھلے دنوں خود کراچی ٹی وی کے پروگراموں میں ہوا کہ اخوت و بھائی چارے کے لئے قرآن اور حدیث کا حوالہ ایک ایسے شخص نے دیا جو

کہ خود بھی بدنام زمانہ منشیات فروش سیف اللہ خان کے ایجنٹ کے طور پر کراچی میں پہچانے جاتے ہیں۔ جن کے ٹرک سرحد سے کراچی آتے ہوئے منشیات کے الزام میں پکڑے گئے تھے۔ وہ ہیں جناب مروت خان صاحب کراچی سے قومی اسمبلی کے رکن اور جس دن ٹی وی پر موصوف آئے ہیں اس دن تو وہ ایک وفاقی وزیر کی حیثیت سے آئے تھے۔ بعد میں جونیجو صاحب نے انہیں کابینہ کی تشکیل نو کے دوران ڈراپ کر دیا۔

اس طرح سیاسی پارٹیاں جو کہ دینی جماعت کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں ان کے بارے میں بھی اس طبقے کے عارضیات اب وسیع پیمانے پر عام ہوتے جا رہے ہیں کہ اسلام کے حوالے سے یہ مذہبی لوگ صرف ہمیں جھوٹی تسلیاں دے رہے ہیں۔ اصل میں ان کے پاس بھی ہمارے مسائل کا کوئی حل موجود نہیں ہے یہ محض اپنی سیاسی دکانیں چمکانے کے لئے سارا کھیل کھیل رہے ہیں اور ہمارے لئے تو صرف مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں۔

اگر ان مذہبی جماعتوں کو (خاص کر جماعتِ اسلامی بہت زیادہ تنقید کی زد میں ہے) ہم سے ہمدردی ہے تو قومی سطح پر افہام و تفہیم (Dialogue) کے لئے آمادہ کیوں نہیں ہوتی اور سرکاری مشینری کو مسائل کے حل کی طرف کیوں متوجہ نہیں کرتی۔ خاص کر اس معاملے میں کہ کراچی اور سندھ کی لوکل انتظامیہ میں بھی عظیم اکثریت ہمارے پنجابی بھائیوں کی ہے۔ تمام اداروں میں چاہے وہ کے ڈی اے ہو، کے ایم سی ہو، پولیس ہو، غالب اکثریت پنجاب کے لوگوں کی ہے جبکہ دوسری طرف ان کے پاس یہ دلیل بہت وزنی ہے کہ خود پنجاب میں تمام اداروں میں اور خاص کر لوکل انتظامیہ میں تو ۱۰۰ پنجابی ہی ہیں۔ دوسرے صوبوں میں بھی اس کے اثرات ہیں۔ ان تمام باتوں کو مزید تقویت یوں ملتی ہے کہ ان ہنگاموں کے دنوں میں کہ جہاں آگ و خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی وہاں پولیس سرے سے ہی غائب تھی۔ جبکہ ضیاء صاحب یا جونیجو صاحب کی کراچی آمد پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ملک پولیس سٹیٹ ہے۔ عوام الناس سے زیادہ پولیس والے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ ایک انتہائی چونکا دینے والا سوال ہے اور لوگوں کی زبان تو نہیں روکی جا سکتی۔ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ پولیس اس لئے غائب ہو گئی تھی کہ بھئی یہ تو پٹھان اور مہاجروں کی لڑائی ہے ہم کیوں بیچ میں پڑیں۔ لہٰذا انتظامیہ نے تو خود اس بات کا ثبوت دے دیا کہ لوگ جو کہتے ہیں صحیح کہتے ہیں کہ یہاں پولیس کے محکمے میں غالب اکثریت یہاں کے لوکل کی ہونی چاہیئے۔

اہلِ پنجاب نے اپنے آپ کو اس معاملے سے علیحدہ رکھا۔ لیکن کب تک وہ علیحدہ رہ سکتے ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لئے علی گڑھ کالونی میں ملے جلے لوگ رہتے ہیں بلکہ اس علاقے میں بہاری بہت کم ہیں اس میں پنجابی بھی ہیں تو بلوچی بھی ہیں اور پنجاب کے لوگ بھی اس واردات کا شکار ہوئے ہیں۔

اہلِ پنجاب بڑ... امیرے اندازے کے مطابق MQM سے متنفر ہیں ۔ اور شاید میں بھی لیکن پس منظر میں MQM کے مطالبات اپنی جگہ درست ہیں ۔ ان کے ساتھ دلیل کے ذریعے اور کچھ آنکھیں کھول کے مذاکرات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ طاقت کا مظاہرہ صحیح نہیں ہوگا ۔ میں پھر کہوں گا کہ مہاجر طبقہ کے اکثر لوگ MQM سے نظریاتی وابستگی اختیار نہ کریں لیکن حقوق کے لئے جو باتیں کہی جارہی ہیں اور مطالبات کئے جارہے ہیں وہ واقعی درست ہیں ۔ MQM کوئی قومیت کی تحریک ہرگز نہیں بن سکتی لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اہلِ پنجاب اس معاملے کو انتہائی سنجیدگی سے طے کریں ورنہ پاکستان کی بگڑتی ہوئی صورت حال میں مخلص مہاجرین کی غالب اکثریت اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر بھی ہو سکتی ہے (واللہ اعلم)

حوصلہ افزاء بات اور دوسرا طبقہ

اس شر کے پیچھے ایک چیز بڑی شدت سے محسوس کی گئی کہ پاکستان کے استحکام اور بقا کے لئے صرف اسلام ہی سے مداوا ہو سکتا ہے اور تمام لوگوں نے چاہے وہ با عمل ہوں یا بے عمل ۔ اس چیز کا اعتراف کیا کہ پاکستان کی اساس صرف اور صرف اسلام ہے اور اسلام بھی خالی خولی نہیں بلکہ حقیقی اسلام جس میں تمام جملہ مسائل کا حل موجود ہو خاص کر اقتصادی نظام پر لوگ چاہتے ہیں کہ کھل کر بحث ہو اور اسلام کے حوالے سے اقتصادی ۔ سیاسی ۔ سماجی مسائل کا حل دریافت کیا جائے ۔ یہاں تک لوگوں سے سنا گیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کاش کوئی خمینی پاکستان میں پیدا ہو جائے ۔ دو علماء سے میری گفتگو ہوئی وہ سو فی صد آپ سے متفق ہیں ۔ اسی طرح جماعتِ اسلامی کے ایک نوجوان دوست کا کہنا ہے کہ اب ہم جانتے ہیں کہ اسلام الیکشن سے نہیں آئے گا لیکن ہم نے کمیونزم کا راستہ تو روکا ہوا ہے ۔

دینی نقطۂ نظر سے ایسے لوگ بھی دیکھے گئے جو کہ ہمدردیاں تو ضرور کسی نہ کسی فریق سے رکھتے ہیں لیکن ان لوگوں کو اپنی دھینگا مشتیوں سے فرصت نہیں ۔ ایک طرف آگ اور خون کی ہولی تھی تو دوسری طرف میں نے دیکھا اور اہلِ کراچی نے بھی دیکھا ۔ پریس والوں نے دیکھا کہ جس طرح کرفیو کے وقفے میں لوگ دال دلیا اور اناج کی تلاش میں نکلے تھے اسی طرح وی سی آر اور وڈیو کیسٹ کی تلاش میں بھی نکلے ۔ محلے محلے میں تمام وڈیو سنٹرز پر رش تھا ۔ کیسٹ بلیک ہو رہے تھے ۔ تمام سڑکوں پر گلیوں کی اندرونی سڑکیں نوجوانوں کے لئے کرکٹ کا میدان بنے ہوئے تھے ۔

ہاں ایک مثبت بات بھی بتاتا چلوں وہ یہ کہ تبلیغی جماعت والے بھائیوں کی طرف سے گشت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور چالیس چالیس دنوں کے لئے مساجد میں جاگنے کی دعوت بھی عام رہی ۔ مساجد میں خصوصی دعاؤں اور سورۃ یٰسین کے ورد کا اہتمام بھی کیا گیا ۔

چند تجاویز

یہ تو طے شدہ حقیقت ہے کہ تمام فساد کی جڑ پیٹ ہے۔ یہ چیز اب عام لوگوں کے سامنے کھل کر آگئی ہے جب اسلام کے حوالے سے باتیں ہو رہی ہوں تو لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے مسائل کے حل کے لئے یا دولت کی مساویانہ تقسیم یا عدل وقسط کے لئے اسلام میں کیا حل ہے؟ مگر اس سلسلے میں علماء کی طرف سے بالکل سرد مہری کی وجہ سے یہ تاثر بھی عام ہو رہا ہے کہ وہاں بھی کوئی حل نہیں ہے۔ اور یہ استحصالی قوتیں اسی طرح سے لوٹتی کھسوٹتی رہیں گی۔ لامحالہ ایسے میں کمیونسٹوں کو تقویت ملے گی اور وہ اپنے لئے یہاں تقریباً سمجھ رہے ہیں کہ میدان ہموار ہو رہا ہے۔ لہٰذا گذارش ہے کہ دینی حلقے اس طرف مثبت پیش قدمی کریں اور اسلام کے عادلانہ معاشی اور سیاسی نظام پر انقلابی نہج سے بات کی جائے اور بہت سی مشکل باتیں جو کہ مصلحت کے تحت عوام تک نہیں لائی گئی ہیں وہ انتہائی مدبرانہ انداز میں پیش کی جائیں۔

اس لئے کہ خود سیاسی پارٹیاں سمجھ رہی ہیں کہ اب عوام مایوس ہو گئے ہیں۔ جناب جتوئی صاحب کہتے ہیں کہ میں پریشان ہوں کہ پاکستان کا کیا بنے گا لوگ اب مسائل کے حل کے لئے تبدیلی چاہتے ہیں۔ انہوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ عوام اب مسائل کے حل کے لئے نظام کی تبدیلی چاہتے ہیں۔

اسی طرح ایک ہفتہ قبل نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب نے بھی ایک بیان کہا ہے کہ نظام کی تبدیلی ناگزیر ہے۔

اس طرح تمام سیاسی پارٹیاں کسی نہ کسی طرح سمجھ چکی ہیں کہ نظام کی تبدیلی ناگزیر ہے لہٰذا میری گذارش ہے کہ اسلام کے کامل نظام عدل وقسط کو پوری طرح سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے بھی معاشی پہلو کو بھرپور انداز میں عیاں کرنے کی جتنی شدید ضرورت آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی

میرا دل کہتا ہے کہ اب مزید تاخیر کسی مصلحت کی وجہ سے نہ کی جائے ورنہ بقول آپ کے جب ہوش آئے تو معلوم ہوگا کہ بہت سا پانی دریائے سندھ میں بہ گیا یعنی "اب پچھتائے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"

کہیں یہ نہ ہو کہ ہم حق بات اس لئے نہ کہیں کہ اس کا فائدہ کمیونسٹوں کو ہوگا اور فرض کریں معاشی میدان میں پہل کمیونسٹ کر گئے تو کیا بنے گا؟ شاید کہ اب وقت آگیا ہے جو جتنا محتاط اور ہوشیار ہوگا بازی مار جائیگا۔

(واللہ اعلم)

پنجاب سے متعلق نئے خدشات

جہاں بھارت میں آزاد خالصتان کی تحریک زور پکڑ رہی ہے وہیں ردِ عمل میں ہندو ازم کی لہر بھی شدت سے زور پکڑتی جا رہی ہے جس کا اظہار خود آپ نے بھی کر ہی دیا۔ بھارت عظیم ترین اکھنڈ بھارت کے خواب کی تکمیل

کے لئے خدا نہ کرے خلانہ کرے سکھوں کے ساتھ کوئی بھی سودے بازی کر سکتا ہے یعنی پاکستان کی قیمت پر ویسے شاید پنجاب میں اس چیز کو بعید از قیاس سمجھا جائے لیکن دشمن نے تمام نقشے بنائے ہوئے ہیں اور اس کی تکمیل کی طرف پیش قدمی بھی شروع ہو چکی ہے۔ خواہ وہ آزاد پختونستان ہو۔ آزاد بلوچستان ہو یا سندھو دیش ہو لیکن سب سے زیادہ دشمن پنجاب کو نشانہ بنائے گا۔ ۸۰ کروڑ کی آبادی والے ملک کو آبادی کا تبادلہ کرتے دیر نہیں لگتی۔ کیا بھارت نے اکثریتی مسلم صوبوں میں اس طرح نہیں کیا۔ کشمیر میں نہیں کیا۔ خالصتان کے لئے بھارت پاکستانی پنجاب کی طرف بھی اشارہ کر چکا ہے۔ اس لئے کہ سکھوں کے بہت سے مذہبی مقامات پنجاب میں ہیں۔ اللہ نہ کرے ایسا ہو لیکن ہماری بچت صرف اس وقت ہوگی جب ہم تمام معاملات کو کھلے دلوں سے قبول کریں گے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام پاکستانیوں کو خواہ وہ کسی صوبہ سے تعلق رکھتے ہوں مشترکہ طور پر توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ جاگیردار، سرمایہ دار خود ہی اسلام کے نظام کی طرف پیش قدمی شروع کر دیں تو بہتر ہے ورنہ آنے والا نظام ان کے پاس کچھ نہ چھوڑے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام طبقات کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اور مثبت اسلامی انقلاب کی طرف بھرپور پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

—— ○ تسنیم احمد

حقوق کی جنگ میں اسلام کو بیچ میں نہ لائیں

چند مہینے قبل آپ نے سندھ کی صورت حال پر ایک مضمون لکھا تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ مہاجروں پر کڑی تنقید کی تھی۔ آپ کے تجزیہ کی درستگی یا عدم درستگی سے قطع نظر فی الحال سندھ میں جو صورتحال رونما ہوئی ہے کے متعلق حتی الامکان صحیح اطلاعات ارسال کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تاکہ اگر آپ اس سلسلے میں کوئی تجزیہ فرمائیں تو کسی افراط و تفریط کا شکار نہ ہوں۔ اور یوں بھی آپ جس عظیم مقصد کو لے کر چل رہے ہیں، اس کے حصول کے لئے ضروری ہو کہ حق ہی کہا جائے اور حق ہی سنا اور مانا جائے۔ خواہ یہ کسی اکثریت ہی کو برا کیوں نہ لگے۔

میں سندھ کے پیش منظر یا پس منظر یا اس کے بارے میں کسی تعارفی تمہید میں وقت ضائع کئے بغیر اپنی بات شروع کرتا ہوں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے سندھ میں بسنے والے سندھی اور مہاجروں کی آبادی تقریباً برابر ہے۔ اس کے علاوہ یہاں پنجابی بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں جو نہ صرف سندھ کی زرعی زمینوں بلکہ صنعت و تجارت اور سرکاری و نیم سرکاری محکموں بلکہ تعلیمی اور نجی کارخانوں و دکانوں میں موجود ہیں اس کے علاوہ پٹھان حضرات اور افغان پناہ گیر بھی خاصی بڑی تعداد میں یہاں آباد ہو چکے ہیں۔ اوّل الذکر کی بڑی تعداد

ٹرانسپورٹ اور تجارت سے منسلک ہے۔ جبکہ آخرالذکر "مجاہدین" اسلحہ اور منشیات کی انتہائی کامیاب تجارت کر رہے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم ہو گا سندھ میں کوٹہ سسٹم رائج ہے جس کے مطابق تعلیم اور نوکریوں میں علاقے کی بنیادوں پر سیٹوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ چنانچہ سندھ میں آباد مہاجرین جن کی آبادی کا نوّے فی صد کراچی، حیدرآباد اور سکھر میں آباد ہیں کا کوٹہ صرف دو فیصد ہے۔ آپ یقیناً جانتے ہوں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اجداد نے نہرو کے ۳۳ فیصد کوٹے کو لات ماری تھی۔ چنانچہ دو فیصد کی خیرات کا کرشمہ یہ ہے کہ ایک مہاجر طالب علم جو ۹۵ فی صد نمبر لاتا ہے داخلے سے محروم رہتا ہے جبکہ دیہی کوٹہ کی بنیاد پر سندھی یا پنجابی طالب علم محض ۴۵ فیصد حاصل کر کے داخلہ حاصل کر لیتا ہے۔ واضح رہے کہ سندھ میں آباد پنجابیوں کا اسّی فی صد سندھ دیہی کا ڈومی سائل رکھتا ہے۔ چنانچہ پی آئی اے، پاکستان شپنگ کارپوریشن، پاکستان اسٹیل ملز، پاکستان آرمی، کے ای ایس سی اور واپڈا جیسے عظیم قومی اداروں کے سوا سندھ کا وہ کونسا صوبائی محکمہ ہے جس میں پنجابی عام عہدوں پر ہی نہیں اعلیٰ ترین عہدوں پہ فائز نہ ہو۔

غرض یہ کہ سندھ دھرتی پر بسنے والے مہاجر شدید ترین استحصال کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایسے میں آج سے نو سال پہلے کراچی یونیورسٹی کے ایک طالب علم الطاف حسین نے مہاجر حقوق کے لئے آواز اٹھائی تو نام نہاد اسلامی جماعتوں نے غاصب پنجابیوں سے مل کر ہر طرف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ الطاف حسین روسی ایجنٹ ہے، اسے کمیونسٹ بلاک سے امداد ملتی ہے حتیٰ کہ الطاف کی قائم کردہ آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن پر نام نہاد اسلامی جمعیت طلبہ نے جولائی ۱۹۷۸ء سے جون ۱۹۸۱ء تک ایک سو بائیس حملے کئے جس میں مہاجر اسٹال پر عورتوں تک پر ہاتھ اٹھایا گیا اور پیسے چھینے گئے لیکن مہاجروں نے الطاف کی آواز پر یہی محسوس کیا کہ جو

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

چنانچہ الطاف کی قیادت میں اس اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن نے ایک عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور اس تحریک کا نام مہاجر قومی موومنٹ (MQM) ہو گیا۔ الطاف نے کبھی کسی دوسری قوم کے حقوق غصب کرنے کی بات نہیں کی۔ البتہ وہ اپنے حقوق طلب کرتا ہے اور یہ بات ان لوگوں کو کہ جن کے یہاں مفادات وابستہ ہیں کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے عیّاری و سازش کے ذریعے اسے ملک دشمن، اسلام دشمن اور فرقہ پرست مشہور کر دیا در آنحالیکہ وہ آج تک کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکے ورنہ آخر یہاں کی عدالتیں کس لئے ہیں؟

چند مہینے قبل MQM کا ایک فقید المثال اجتماع نشتر پارک کراچی میں منعقد ہوا جس میں شدید بارش اور انتہائی ناسازگار موسم کے باوجود بے تحاشا حاضری اور انتہائی نظم و ضبط تھا۔ اس سے مہاجر دشمن استحصالی طاقتیں گھبرا گئیں اور MQM اور الطاف کے خلاف انتہائی منظم طریقے سے پروپیگنڈے کی مہم کا آغاز ہوا۔ چنانچہ بڑے بڑے اسلامی دعوے داروں نے جنہیں خدمتِ اسلام کے لمبے لمبے معاوضے ملتے ہیں یہ کہنا شروع کیا کہ الطاف ملحد و دہریہ ہے۔

کمیونسٹ ہے اُسے روس سے امداد ملتی ہے لیکن جب ان بزرگوں کی خدمت میں دست بستہ ثبوت کی فراہمی کی گذارش کی گئی تو کبھی جواب میں محض مسکراہٹ ملی اور کبھی غیض و غضب۔ قصہ مختصر ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو مہاجر آبادی کے دوسرے بڑے شہر حیدرآباد میں MQM کا کنونشن طے ہوا جس کی حکومت سے باقاعدہ اجازت لی گئی۔ جیسا کہ آپ کے علم ہوگا کہ اس جلسے سے تقریباً ایک ہفتہ قبل لانڈھی ریلوے کراسنگ پر ہونے والے حادثے کی وجہ سے مہاجروں اور پٹھانوں میں شدید کشیدگی پائی جاتی تھی اور سہراب گوٹھ (جو کہ منشیات کی بین الاقوامی مارکیٹ اور اسلحہ کے ہول سیلرز کا ڈپو ہے) میں پٹھانوں کی آبادی ہے، سپر ہائی وے پر واقع ہے اور کراچی سے حیدرآباد براستہ سپر ہائی وے جانے کے لیے یہاں سے گذرنا لازمی ہے۔ MQM کے کراچی کے لوگوں کو حیدرآباد کنونشن میں شرکت کے لئے حیدرآباد جانا تھا چنانچہ مہاجر لیڈروں، سہراب گوٹھ کے 'معززین' اور کمشنر و انتظامیہ کراچی کے درمیان ایک میٹنگ جلسے سے ایک روز پہلے ہوئی جس میں پٹھانوں نے یہ یقین دہانی کروائی کہ جلوس کو پُرامن طریقے سے گذرنے دیا جائے گا۔ چنانچہ اخبارات میں اس کی خبروں کے ساتھ ساتھ مہاجر لیڈروں کے بیانات شائع ہوئے جس میں انہوں نے مہاجر عوام سے اپیل کی تھی کہ جلوس جب سہراب گوٹھ سے گذرے تو نعرہ بازی سے گریز کیا جائے۔

چنانچہ ۳۱ اکتوبر ۱۲ بجے دن کے اخباری اطلاعات کے مطابق ۲۵۰ بسوں کا قافلہ کراچی سے حیدرآباد روانہ ہوا۔ کمشنر کراچی کے اخباری بیان کے مطابق تقریباً تمام بسیں پُرامن طریقے سے گذر گئیں لیکن آخری تین بسوں پر سہراب گوٹھ سے فائرنگ کی گئی جس سے چھ مہاجر کارکن ہلاک اور کئی شدید زخمی ہو گئے۔ چنانچہ جب یہ پُرامن جلوس حیدرآباد پہنچا تو مارکیٹ کے علاقے میں واقع آزاد ہند ہوٹل سے ایک بس پر کلاشنکوفوں سے فائرنگ کی گئی جس سے چار کارکن موقع پر ہی ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے۔ حیدرآباد میں یہ واردات دو بج کر بیس منٹ پر ہوئی۔ یہ ہوٹل جلسہ گاہ سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

چنانچہ جلسہ بعد از نماز جمعہ تقریباً ۳ بجے شروع ہوا۔ اس جلسے میں پورے سندھ سے 'اخباری اطلاعات کے مطابق پانچ لاکھ افراد نے شرکت کی جس میں شرکا کی نوّے فی صد تعداد نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ ہزاروں شرکا جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے جس میں اسٹین گنیں، کلاشنکوفیں، کاربائین، ریوالور، پستولیں، بندوقیں، تلواریں، خنجر، چاقو اور قسم قسم کے اسلحہ جات کی کھلے عام نمائش ہو رہی تھی۔ حکومت کے مطابق اسلحہ لائسنس یافتہ تھا جبکہ میری ناچیز رائے کے مطابق بہت بڑی تعداد غیر لائسنس یافتہ اسلحہ کی تھی۔ آپ کے علم میں یقیناً یہ بات ہوگی کہ سندھ کے جلسوں میں خواہ یہ سیاسی جماعتوں کے ہوں یا مذہبی جماعتوں یعنی جماعت اسلامی، جمعیتہ علمار اسلام پاکستان وغیرہ کے جلسوں کے دوران نہ جانے کیوں فائرنگ ضرور کی جاتی ہے ــــ شاید خوشی کے اظہار یا طاقت کے مظاہرے کے لئے۔ اس قدر تفصیل کا حاصل صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ MQM کو بلا ثبوت' علاقائیت پرست اور ملک دشمن کہنے والے اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ دن کے بارہ بجے سہراب گوٹھ پر اور دو بج کر بیس منٹ پر جلسہ گاہ سے صرف تین کلومیٹر دور مارکیٹ پر شدید ترین زخم کھانے والے MQM کے نوجوان کارکن جو کہ اسلحہ سے لیس تھے اس قدر

تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ پورے جلسے میں ایک نعرہ کسی قومیت یا قوم و ملک کے خلاف نہیں لگایا جاتا حتیٰ کہ کسی تقریر میں کوئی جذباتیت اور فتنہ و فساد کی سیاست نظر نہیں آتی (میرے دعوے کا ثبوت اس جلسے کا کیسٹ ہے جو M Q M کے کسی بھی دفتر یا کارکن سے حاصل کیا جا سکتا ہے) اور بلا مبالغہ حیدر آباد کا سب سے بڑا مجمع الطاف حسین اور دیگر رہنماؤں کی تقریر کو انتہائی انہماک سے سنتا رہا۔ اس موقع پر الطاف حسین اور دیگر مہاجر لیڈروں کو داد نہ دینا کس قدر تنگ نظری ہوگی کہ بے نظیر جیسی زیرک سیاست داں ایک بڑے مجمع کو دیکھ کر یہ کہہ دیتی ہے کہ آج اگر ہم چاہیں تو اسمبلی پر قبضہ کرلیں لیکن الطاف حسین یا دیگر رہنماؤں نے تازہ تازہ لگے ہوئے زخموں پر تبصرہ تو کجا تذکرہ تک نہیں کیا۔ الطاف حسین کی تقریر گواہ ہے کہ اس نے مجمع کو کم از کم پانچ دفعہ ہوائی فائرنگ اور نعروں تک سے منع کیا۔ آخر میں صرف ایک جملہ کہا کہ چند شرپسندوں نے ہمارے جلوس پر سہراب گوٹھ میں گڑبڑ پھیلائی اور فائرنگ کی اور الطاف نے اپنے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ سپر ہائی وے کے بجائے براستہ نیشنل ہائی وے واپس جائیں۔ تاکہ جھگڑے کا امکان ہی نہ رہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ الطاف اور M Q M کی امن پسندی کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے! کیا نوجوانوں کے مسلح جلسے میں ایسے غیر جذباتی اور عقلی معاملات ہوتے ہیں! لیکن جب الطاف خود نیشنل ہائی وے سے، اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گذرے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا حتیٰ کہ انہیں قانونی مشیروں تک سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور نہ یہ بتایا گیا کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ حالانکہ کمشنر کراچی کے اخباری بیان کے مطابق M Q M اس جھگڑے میں ملوث نہیں۔ ایں چہ بوالعجبی ست

اس واقعہ کے فوراً بعد کراچی میں رات دس بجے سے اور حیدر آباد میں رات بارہ بجے سے غیر معینہ مدت تک کے لئے کرفیو لگا دیا گیا اور پٹھانوں کی آبادیوں، ٹالوں وغیرہ پر فوج اور پولیس کے پہرے متعین کر دیئے گئے لیکن اورنگی ٹاؤن جیسے مہاجر علاقوں میں ساری ساری رات اخباری اطلاعات کے مطابق پہاڑی کے اوپر سے حملہ آور پٹھان شب خون مارتے رہے۔ انہوں نے کلاشنکوفیں اور دستی بم استعمال کئے۔ چنانچہ بیس کے قریب افراد سوتے میں ہلاک اور کئی زخمی ہوئے۔ ایک پٹھان گورنر نے اس طرح ایک سال پہلے لگائے گئے زخموں کا بدلہ لے لیا۔ چنانچہ زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ان واقعات کی مذمت کی۔

ان فسادات میں مجموعی طور پر کم از کم ۵۰ افراد ہلاک ہوئے اور ریکارڈ دیکھا جا سکتا ہے کہ ہلاک شدگان کون تھے۔ سینکڑوں مہاجر بے گھر ہوئے جن کے کچے مکانات اور جھونپڑیوں سے آج انسانی گوشت کے جلنے کی سڑاند آ رہی ہے۔

لیکن جب مہاجروں نے پُرامن احتجاج کیا تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں امن و امان کی محض دکھاوے کی کوشش کے لئے جن لوگوں یا جس طبقے کو انتہائی غلط طریقے سے استعمال کیا جا رہا ہے وہ ہیں حضرات علمائے کرام۔ چنانچہ آپ ان دنوں کے اخبارات ملاحظہ فرمائیں۔ ہر مکتبہ فکر کے علماء خصوصاً درباری علماء (انتہائی معذرت کے ساتھ) کے لمبے لمبے بیانات شائع ہو رہے ہیں جن میں اخوت، بھائی چارے اور امن و آشتی کا

درس دیا جاتا ہے۔ لیکن الا ماشاء اللہ یہ کوئی نہیں کہتا کہ جو مجرم ہے (خواہ مہاجر ہو یا پٹھان یا کوئی اور) کو سزا دی جائے۔ میں آپ سے کلام اللہ کے عالم ہونے کے ناطے سوال کرتا ہوں کہ کیا اسلام کا نظام عدل یہ کہتا ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کا گلا ہی کیوں نہ کاٹ ڈالے لیکن دوسرا برنائے اخوت و بھائی چارہ خاموش رہے؟ کیا ظالم کی خاموش حمایت کرنا بھی جرم نہیں! کیا اسلام کا حکم یہ نہیں کہ مجرم کا ہاتھ پکڑ لو! کیا اپنے حقوق کی بات کرنا قومیتوں کو اجاگر کرنا ہے جو سراسر غیر اسلامی ہے تو مجھے بتایا جائے کہ جب غزوۂ حنین کے بعد مال غنیمت کی تقسیم کے وقت انصار کی طرف سے اعتراض کیا گیا تھا کہ حضورؐ نے سب کچھ قریش اور عرب قبیلوں کو دے دیا (بحوالہ سیرت ابن ہشام الجزء الرابع ص۱۴۴) تو آنحضورؐ نے انہیں قومیت پرستی یا علاقائیت پرستی پر محمول کیوں نہ کیا؟

محترم ڈاکٹر صاحب! جیسا کہ آپ نے سندھ کی صورت حال کے تجزیے میں لکھا ہے کہ سندھی نوجوان اسلام تک سے برگشتہ ہے تو اس کی اصل وجہ یہی ہے جو اب مہاجرین کے ساتھ پیش آ رہی ہے کہ ہمارے نام نہاد مولوی اپنے مفادات و نام و نمود کی خاطر حقوق کے حصول کے مطالبے کو غیر اسلامی، دہریت اور اشتراکیت جیسے القاب سے نوازتے ہیں تو عام نوجوان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا اسلام نعوذ باللہ ایک استحصالی مذہب ہے۔ اور حقوق تو صرف مولوی کے بیان کے مطابق اشتراکیت یا دہریت سے ہی مل سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ وقت روٹی اور تن کے کپڑے کی بھیک دے کر واقعتاً اشتراکی اور دہریہ اسے اپنا ہم نوا بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ آج مہاجر نوجوان بلکہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ حضرات تک میں یہ فکر گردش کر رہی ہے کہ مذہب استحصالی قوتوں کا ایک ہتھیار ہے جسے استعمال کر کے وہ اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں تو علماء کرام سے یہی عرض کرتا ہوں کہ خدارا قومیت یا حقوق کی جنگ میں اسلام کو بیچ میں نہ لائیں اور اگر اسلام کو لانا ہی ہے تو پھر حق بات کریں کیونکہ ایک ایک لفظ کا حساب دینا ہو گا۔

میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ عدل تو صرف اسلام ہی قائم کر سکتا ہے۔ چنانچہ میری فطری خواہش ہے کہ کم از کم وہ لوگ جن کے اجداد نے اسلامی پاکستان کیلئے قربانیاں دیں محض حق تلفی کی شدت کی وجہ سے دین سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ بلکہ علماء حق کو میدان میں آ کر ڈنکے کی چوٹ یہ کہنا چاہیئے کہ اسلام صرف ان کے حقوق کی بات ہی نہیں کرتا بلکہ ان کا سب سے بڑا محافظ بھی ہے اور صرف ان کا نہیں پوری انسانیت کا حقیقی محافظ و رہنما ہے ——!

خاکپائے علمائے حق، ایک مہاجر مسلمان!

دین کے پردے میں . . . .

آپ کا حالیہ تحریر کردہ مقالہ "سندھ کا مسئلہ" کی پانچ اقساط روزنامہ جنگ میں ملاحظہ کی ہیں۔ اس کے بعد آپ کی پوری شخصیت، ارادے اور مفاہیم سب پر عیاں ہو گئے۔ آپ نے خود کو جس طرح دینی لبادے میں لپیٹ

کر عوام کے سامنے پیش کیا ہے اور جس طرح اپنے مفاد کو دین کا اوڑھنا پہنایا ہے وہ ایک نہایت کامیاب ڈرامہ ہے۔ دراصل آپ ہی کے قبیل کے لوگوں نے دین کو بدنام کیا ہے۔ آپ لوگ اپنے مفاد کو دین کی چادر میں لپیٹ کر حاصل کرتے ہیں، اس عمل سے آپ لوگوں کو تو فائدہ پہنچتا ہے لیکن دین بدنام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی نئی نسل دین سے بدظن ہے۔ آپ کی اس کاوش نے ہی مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے ورنہ میں سیاست سے کوسوں دور بھاگنے والا اور مذہب سے لگاؤ رکھنے والا انسان ہوں۔ آپ نے پہلے مہاجروں کو مطعون کیا، اس کے بعد سندھیوں کو اور آخر میں ان دونوں کو ایک دوسرے سے متنفر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن پنجابیوں کے معاملے کو بالکل گول کر گئے۔ آپ خالص پنجاب مفاد کے لئے کام کر رہے ہیں اور وہ بھی دین کے پردے میں۔

میں جی ایم سید کے مخالفین میں ہوں لیکن ایک بات کہہ دوں کہ وہ آپ سے بہتر مسلمان ہے۔ وہ منافق نہیں اور دین کو اپنے مفاد کے لئے استعمال نہیں کرتا۔

آخر میں آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آپ کی یہ امید انشاء اللہ کبھی بار آور نہیں ہوگی کہ سندھی مہاجر آپس میں لڑیں۔

آپ کا خیر اندیش، خدا بخش امید

فائرنگ بھی پنجاب کی سازش ہے

امید ہے آپ بعافیت ہوں گے۔ اس سے قبل بھی ایک خط ارسال کیا تھا۔ امید ہے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ آج آپ کا ایک اور مضمون سندھ کی صورتِ حال پر پڑھا۔ آپ کی نیت پر شبہ نہیں ہو سکتا ہے جو کچھ آپ لکھ رہے ہوں وہ خلوص پر مبنی ہوتا ہم آپ ایک مخصوص نظر سے دیکھ کر لکھ رہے ہیں اور آپ نے اس مضمون کے اخیر میں جو منطقی نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کی اصل جنگ اور ہولناک مقابلہ مہاجروں اور سندھیوں میں ہوگا اور اس کا نتیجہ سندھ کی تقسیم ہوگی جس کو بقول آپ کے ایک سندھی دینی دانشور نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب "بڑا خون بہگا" اس سے آپ کا کیا مقصد ہے! کیا آپ مہاجروں کو ڈرانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے لئے کسی ناانصافی پر آواز بھی نہ اٹھائیں یا اپنا حق نہ مانگیں اور ظلم اور زیادتی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ لیکن شاید آپ یہ بھول گئے کہ اس وقت یہ علاقے جن پر آج پاکستان مشتمل ہے اقتصادی طور پر ہی نہیں بلکہ ہر لحاظ سے پسماندہ تھے۔ یہ تو پاکستان بننے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں نے جنہیں عرفِ عام میں مہاجر کہا جاتا ہے جو تعلیمی لحاظ سے بھی آگے تھے اور ان میں تجارتی برادریاں بھی تھیں) انہوں نے آکر نہ صرف اپنا اقتصادی مسئلہ حل کیا بلکہ آج کراچی میں پنجاب کے تقریباً ۲۰ لاکھ اور سرحد کے ۱۵ لاکھ پٹھانوں کو بھی روزگار فراہم کیا ہوا ہے۔

افسوس ہے آپ بھی مخصوص پنجابی طرز پر سوچنے اور لکھتے ہیں اور اس کے علاوہ اور کوئی جائز بات بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جو مہاجر حضرات خود میرے رشتہ دار بھی پنجاب میں آباد ہیں وہ بھی پنجابی طرز پر سوچتے

ہیں اور اس کے علاوہ کوئی بات انہیں قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ آپ نے بھی اسی طرز اور سوچ کے تحت بڑی خوبی سے اپنے مضامین میں پنجاب کی تمام برائیاں اور زیادتیاں بڑی خوبی سے صاف کر دیں اور انہیں پاک کر کے معصوم بنا ڈالا ہے۔

سندھیوں کو مہاجروں سے اتنی پرخاش نہیں جتنی پنجابیوں سے ہے وہ جانتے ہیں کہ مہاجر پاکستان بننے کی وجہ سے آئے اگر پاکستان نہ بنتا تو مہاجر نہ آتے بلکہ سندھ انہیں اسی طرح رکھتا جس طرح ۱۹۴۷ء سے پہلے رکھے ہوئے تھا لیکن پنجابی تو صرف اقتصادی فائدے کے لئے آتے ہیں۔ پنجاب نے مرکزی ملازمتوں میں بھی نہیں بلکہ سندھ کی صوبائی ملازمتوں پر بھی قبضہ جما لیا ہے۔ کوٹہ اس طرح مقرر کرایا گیا ہے کہ پنجاب کا ۵۸٪ سندھ ۲۳٪ (دیہی اور شہری) سرحد ۱۴٪ اور بلوچستان ۵٪۔ پنجاب کے لوگ کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں مرکزی ملازمتوں میں آکر ۵۸٪ حصہ لے جاتے ہیں جبکہ مہاجر اور سندھی پنجاب یا کسی اور جگہ اپنا حصہ لینے نہیں جاتا۔ اس طرح پنجاب میں مرکزی ملازمتوں میں ۱۰۰٪ پنجابی ہوتے ہیں اور کراچی اور سندھ میں واقع مرکزی ملازمتوں میں۔ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں اور تو سیائے ہوئے صنعتی یونٹوں میں بھی ۵۸٪ حصہ لے جاتے ہیں۔ اس طرح وفاقی مالیات میں بھی پنجاب اپنے حصہ سے کہیں زیادہ لے کر دوسروں کا حق مارتا ہے کیا کبھی آپ نے اس طرف خیال فرمایا۔ اس طرح سندھ کے ۲۳٪ پورے پاکستان کا کوٹہ گھٹ کر ۸٪ سے بھی کم رہ جاتا ہے کیونکہ وہ صرف انہی ملازمتوں میں حاصل کر پاتے ہیں جن کے دفاتر سندھ اور کراچی میں ہیں۔ پنجاب کے ایک طبقہ نے سازش کر کے ملک کے پہلے وزیرِ اعظم لیاقت علی خان کو قتل کرایا تاکہ اپنا اقتدار قائم کر سکیں۔

پھر دارالحکومت کراچی سے پنجاب منتقل کرایا تاکہ تمام ملازمتیں پنجاب کے قبضہ میں ہی جائیں۔ بنگالی، مہاجر اور دوسرے لوگ ملازمتیں چھوڑ چھوڑ کر واپس کراچی آگئے اور تمام ملازمتوں پر پنجاب کا قبضہ ہو گیا۔ بنگالی دارالحکومت کی منتقلی کی وجہ سے اسی دن سے نالاں ہو گیا تھا اور اس کی علیحدگی کی وجوہات میں یہ ایک بڑی وجہ ہے۔ جب تک کراچی میں دارالحکومت تھا۔ بنگالی کراچی آجاتا تھا اور اپنا حصہ لے لیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۰ء تک لاکھوں بنگالی بھی آباد ہو گئے تھے۔ محبِ وطن بنگالیوں نے کہا تھا کہ ملک کو بچانا ہے تو دارالحکومت ہوائی جہاز سے واپس لانا ہوگا۔

وفاقی ٹیکس جو ۱۹۷۱ء تک وصولی کے تناسب سے صوبوں کو دیئے جاتے تھے ۱۹۷۱ء کے بعد آبادی کے تناسب سے تقسیم کئے جانے لگے تاکہ پنجاب کی آبادی کیونکہ ۵۸ فیصد ہے اس لئے اسے بڑا لقمہ ملے حالانکہ بنگالی یہ مطالبہ کرتے رہے کہ پیریٹی (برابری) کے حساب سے ہی دو لیکن اس وقت کیونکہ مغربی پاکستان کا ایک ہی صوبہ تھا اور صوبہ میں اکثریت پنجاب کی تھی۔ اس لئے بنگالیوں کی بات قبول نہ کی گئی لیکن اب فوراً ہی آبادی کے تحت تقسیم کرنا شروع کر دیا کیونکہ اگر پہلے طریقے سے وفاقی ٹیکس تقسیم ہوتے تو پنجاب کو کیا ملتا کیونکہ سترّ

فیصد ٹیکس تو کراچی سے وصول ہوتا ہے۔ اس لئے وصولی کے تناسب کا اصول ناقابل قبول بن گیا اور فوراً آبادی کی بنیاد پر تقسیم کا عمل شروع ہو گیا۔ حد یہ ہے کہ زکوٰۃ تک بھی اسی طرح سے تقسیم ہو رہی ہے یعنی اٹھاون فیصد پنجاب حالانکہ اس کی بھی بیشتر ادائیگی دوسرے جگہ یعنی کراچی سے ہوتی ہے۔ کراچی پورٹ اور بن قاسم پورٹ تک میں اٹھاون فیصد پنجاب کا حصہ ہو گیا ہے جبکہ ان کی آمدنی وفاقی مالیات میں ہی جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا ہے کہ مہاجر تحریکوں کا نتیجہ سندھ کی تقسیم ہو گا اور بڑا خون بہے گا۔ اگر کسی کے ساتھ ناانصافی ہوتی ہے تو وہ علیحدہ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ہندوستان میں کل چودہ صوبے تھے جن میں سے پانچ پاکستان میں آ گئے تھے انہوں نے باقی ۹ صوبوں سے چوبیس صوبے بنا ڈالے ہیں۔ صرف مشرقی پنجاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ مشرقی پنجاب۔ ہریانہ اور ہماچل پردیش۔ کتنا خون بہا۔ اور اس تقسیم سے آج یہ فائدہ ہے کہ سکھوں کی شورش صرف مشرقی پنجاب تک محدود ہے۔

سندھ میں ۳۲ فی صد ہندو تھا وہ کوئی علاقہ اپنے ساتھ نہیں لے گیا۔ مہاجر اس کی جگہ آئے اور اسی جگہ ان کی اکثریت ہے۔ کراچی سے ٹنڈو آدم تک کا علاقہ مہاجر اکثریتی علاقہ ہے۔ باقی سندھ میں قدیم سندھیوں کی ہی اکثریت ہے اور یہ علاقہ ۳۲ فی صد بھی نہیں۔ یعنی مہاجر سندھ کے ۲۳ فی صد سے بھی کم علاقہ پر اکثریت میں ہیں گو ان کی آبادی پچاس فی صد سے بھی زیادہ ہو گی۔ اس لئے میرے خیال میں اگر فی الحال دو ریجن بنا دیئے جائیں ایک کراچی اور دوسرا سندھ جس کا دارالحکومت سکھر ہو اور دونوں ڈپٹی گورنرز کے تحت ہوں تاکہ کسی کو کسی دوسرے سے شکایت نہ رہے۔ داخلوں اور ملازمتوں کا مسئلہ بھی حل ہو جائے تو بھی کسی حد تک مسئلہ حل ہو سکتا ہے ورنہ بقول آپ کے منطقی نتیجہ علیحدہ صوبہ ہو گا مگر وہ بھی کوئی حرم نہیں ہے۔ لیکن اس میں آپ "بڑا خون بہے گا" کا ڈر محسوس کرتے ہیں۔ شاید صحیح بھی ہو۔ کیونکہ ہم معقولیت سے کوئی مسئلہ حل نہیں کر پاتے۔ حالانکہ ہمارے پڑوس میں ایسے مسائل آسانی سے حل کر لئے گئے ہیں۔

براہِ کرم حق لکھنے اور سمجھنے کا حوصلہ پیدا کیجئے۔ ورنہ لوگ جیسا آپ نے خود تحریر کیا ہے اسلام سے بھی بدظن ہونے لگے ہیں اور آجکل کے حالات کے تحت اسے پنجابی اسلام کہنے لگے ہیں۔ پنجاب کے ایک گروہ نے صرف اپنے مخصوص لوگوں کے فائدے کے لئے تمام صوبوں سے ناانصافیاں کر کے تمام صوبوں کے لوگوں کو پنجاب سے متنفر کر دیا ہے۔ اگر وہ ناانصافی کر کے پنجاب کو فلاح پہنچا دیتے تو بھی غنیمت تھا لیکن سب کچھ کرنے کے بعد پنجاب کا عام آدمی دوسرے صوبوں کے لوگوں سے بدتر ہی ہے۔ تمام سرکاری مرکزی ملازمتیں Capital لیجا کر اور دیگر کوٹہ کے طریقوں سے کر کے بھی عام آدمی ملازمت کے لئے کراچی ہی آتا ہے۔

بھٹو کی پھانسی کی وجہ سے اور نفرت پیدا کر دی جس کی وجہ آپ نے خود تحریر فرمائی ہے۔ ان تمام وجوہات کی وجہ سے پنجاب کے خلاف ردِ عمل ہے لوگوں کا خیال ہے اور اس میں کچھ حقیقت بھی ہے کہ مہاجر قومی موومنٹ کے جلوس پر فائرنگ بھی پنجاب کی ایک سازش ہے۔ ورنہ پٹھانوں کا نہ کراچی میں ملازمتوں میں عمل دخل ہے نہ

داخلوں میں اصل مسئلہ تو پنجاب سے ہے اور انہوں نے رُخ بدلنے کے لئے یہ پٹھانوں کی طرف کر دیا ہے۔
برائے کرم ان حقیقتوں پر بھی ذرا غور فرمائیے : خیر اندیش : حسن احمد صدیقی

پاکستان میں مسلمان اقلیّت میں ہیں

آپ کا مضمون بعنوان "سندھ کا مسئلہ" جو ۲۵ دسمبر کی روزنامہ "جنگ" کی اشاعت میں شائع ہوا۔ دو بار پڑھا۔ آپ نے بڑی احتیاط سے حالیہ ہنگاموں کے اصل اسباب پر جو پردہ ڈال رکھا ہے اس پر بڑا تعجب ہوا۔ آپ جیسے مفکّر تو ان اسباب کو بہتر سمجھتے ہیں پھر بھی چند جملے پیشِ خدمت ہیں۔

مارشل لاء کے دوران چونکہ فوجی افسروں کو مطلق العنانیت حاصل تھی اس لئے جو چاہا کیا۔ بھلا بھی ہو سکتا تھا بُرا بھی۔ پاکستان بننے کے بعد چند سال تو اچھے گزرے۔ ملک کی خدمت کا جذبہ کارفرما رہا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اپنی خدمت کا جذبہ اجاگر ہونے لگا۔ مغرب زدہ بیویوں کے آئے دن کے تقاضوں نے ان کے اچھے بھلے شوہروں کو حرام کی آمدنی کی طرف راغب کر دیا اور رفتہ رفتہ یہ مطالبے اس حد تک بڑھ گئے کہ معمولی ذرائع ناکافی ہونے لگے۔ اور سہراب گوٹھ آباد ہونے لگے۔

اس کاروبار کا حکومت اور علماء دونوں کو بخوبی علم تھا۔ حکومت اس لئے خاموش رہی کہ ان کو حصّہ ملتا تھا۔ اور علماء بھی اور ہم بیٹھے ہوئے رویا کئے تقدیر کو۔

جب زیادہ شور و غوغا پبلک کی طرف سے ہوا تو حکومت نے خود اس خون خرابہ کا انتظام کیا۔ تاکہ شہری زندگی مفلوج ہو جائے اور عوام کو ایک سبق سکھایا جائے کہ خبردار ہم تو دوسرے سہراب گوٹھ بسالیں گے۔ سرحدی علاقوں سے ہماری سپلائی بھی جاری رہے گی۔ کیونکہ ہم کو ان کا تعاون حاصل ہے جو تمہارے محافظ ہیں، لیکن تم کیا کرو گے۔ تمہارا گھر کون بنائے گا۔ تمہاری کمائی کہاں سے آئے گی وغیرہ۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ باوجودیکہ اس کاروبار میں ملوّث افراد کے نام اور پتے حکومت کو معلوم ہیں، ان میں سے ایک بھی گرفتار نہ ہو سکا۔ گرفتار کرے کون!

یہ سندھی۔ مہاجر۔ پٹھان کا معاملہ نہیں بلکہ اونچے اور نیچے طبقہ کا معاملہ ہے۔ کیا رشوت۔ اسمگلنگ۔ چوری میں مہاجر شریک نہیں ہیں۔ کیا وزارت میں مہاجر شریک نہیں ہیں۔ کیا پینے اور مرنے والوں میں پٹھان شریک نہیں ہیں؟ ہونا تو یہ چاہیئے کہ عوام کی ایک طاقت ابھرے۔ پہلے علماء کو درست کرے۔ کیا یہ المیہ نہیں ہے کہ جہاں کی سرکاری گنتی ۹۸ فی صد مسلمان دکھاتی ہے وہاں نفاذِ شریعت کے لئے تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ اصل قصّہ یہ ہے کہ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اور یہ فی صد اس فی صد سے کم ہے جو ہندوستان میں ہے۔ یہاں لوگوں کو مسلمان بنائے بغیر نفاذِ شریعت کی بات کرنا اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ اس لئے سیاست کو چھوڑ کر صرف صحیح معنوں میں مسلمان بنانے پر اپنی توانائی صرف کی جائے تو ان تمام بیماریوں کا علاج ایک نہ ایک دن انشاء اللہ ضرور ہو کر رہے گا۔

سیّد فصیح الدین احمد

جن کے لیے پاکستان بنایا تھا۔۔۔

"اصل اسباب کیا ہیں اور ذمہ دار کون ہے" کے عنوان کے تحت اخبار جنگ میں آپکا مضمون پڑھ کر دکھ ہوا۔ آپ نے بلوچستان کے سرداروں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مجبوراً پاکستان میں شامل ہوئے۔ آپ کو شاید علم نہیں کہ برٹش بلوچستان کے شاہی جرگہ کے ۵۲ ممبروں میں سے صرف سات ممبر بلوچ تھے اور باقی سب پٹھان۔ اور نواب محمد خاں جوگے زئی برٹش بلوچستان سے واحد ممبر تھے۔ ریاست قلات۔ خاران اور لس بیلہ علیحدہ علیحدہ ریاستیں تھیں۔ انگریزوں کی کوشش یہ تھی کہ بلوچستان کو برما اور سیلون کی طرح ہندوستان سے علیحدہ کر کے اپنے قبضے میں رکھیں۔ اس لئے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو ریاستوں کے لئے تین راستے رکھے گئے۔ یعنی یا ہندوستان میں شامل ہوں یا پاکستان میں یا آزاد رہ کر برٹش حکومت کے ساتھ معاہدہ کریں۔ نواب صاحب نے کانگرس کی ۱۸ کروڑ روپیہ کی پیش کش ٹھکرادی۔ اگرچہ نواب جوگیزئی نے کانگریس کو شکست دی تھی اور وہ آزاد ممبر تھے مگر جب مسلم لیگ نے بائیکاٹ کیا تو نواب جوگیزئی نے بحیثیت مسلمان کے اور اکثریتی قوم کے نواب ہونے کی وجہ سے بائیکاٹ کیا۔ ایک پٹھان یہ برداشت نہ کرسکا کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ بیٹھے۔ دہلی میں نہرو نے بہت کوشش کی کہ نواب صاحب سے ملاقات کرے مگر نواب صاحب نے انکار کیا۔ بلوچستان میں تو کوئی سیاسی جماعت اتنی مضبوط نہ تھی کہ وہ قبائلی سرداروں پر اثر ڈال سکے۔ اور نہ قبائلیوں کو ہندوستانی لیڈروں کا پورا علم تھا۔ ریفرنڈم تو ۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہونا تھا مگر چونکہ ۲ جولائی کو کانگریس کا روپیہ آنا تھا اس لئے نواب صاحب نے خطرے کو بھانپتے ہوئے ۲۹ جون ۱۹۴۷ء کو جب گورنر جنرل کے ایجنٹ (A.G.G) نے شاہی جرگہ کو کہا کہ آپ سے ۴ جولائی کو پوچھا جائے گا' اجلاس میں کھڑے ہو کر کہا کہ ہم نے کافی غور کر کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ بلوچ سرداروں نے کہا کہ ہم نے خان قلات کے ساتھ قول کیا ہے مگر A.G.G نے کہا کہ یہ پاکستان اور ہندوستان کے متعلق ہے۔ لہٰذا وہ بھی نواب جوگیزئی کے ہم نوا ہوگئے آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ بلوچستان میں سب بلوچ نہیں ہیں۔ کوئٹہ۔ پشین۔ ژوب۔ لورالائی سبی۔ پٹھان علاقے ہیں اور پٹھان قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ کاکڑ ہے اور اچک زئی موسیٰ خیل۔ ترین۔ ہوتی وغیرہ بھی پٹھان ہیں کاکڑ اس وقت پاکستان میں ۱۸ لاکھ کی تعداد میں ہیں اور ۲۰ لاکھ افغانستان میں ہیں۔ نواب جوگیزئی تمام کاکڑ قوم کے نواب ہیں اور ہم باجوسلہ ہیں۔ ہم نے انگریزوں کے ساتھ جنگ کی ہے۔ انگریز ۱۸۹۰ میں آئے اور ۱۹۴۷ء میں گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان پٹھانوں نے بنایا ہے۔ برٹش بلوچستان میں ریفرنڈم ہوا تو پٹھان سرداروں نے ووٹ دیا۔ جبکہ یہاں سیاسی بیداری نہیں تھی۔ عبدالصمد خان کی طاقت کو صرف پٹھان سرداروں نے ختم کیا اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں بھی پٹھانوں نے پاکستان کو ووٹ دیا۔ حالانکہ حکومت کانگریس کی تھی اور بلوچستان میں انگریز کی حکومت تھی۔ کشمیر کا جتنا بھی حصہ پاکستان میں ہے۔ وہ بھی پٹھانوں قبائلیوں نے فتح کیا ہے اور انگریز سے قبائلی پٹھان آزادی ہند تک لڑتے رہے اور آج روس سے بھی پٹھان لڑ رہے ہیں۔ یہ جنگ بھی

پاکستان کو مضبوط کرے گی۔ لہٰذا حقیقت کو نظر انداز کرنا بھی سخت گناہ ہے جو ظلم کرتا ہے اس کو اس کی سزا ملنی چاہیے۔ چاہے کوئی بھی ہو۔

یہ بھی قابلِ غور ہے کہ جب ہندو مسلم فساد ہوا تو ہر پٹھان کو اس پر غصہ تھا کہ ہندو نے مسلمان عورتوں کو اغوا کیا ہے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کیا کہ مسلمان اور ہندو کا سوال ہے ورنہ اگر بلوچستان کے پٹھان قلات کے ساتھ کنفیڈریشن بناتے جو انگریز چاہتے تھے تو پاکستان کیسے بنتا۔ جن کی عزت کے لئے ہم پاکستان میں شامل ہوئے وہی اب پٹھانوں کے دشمن ہو گئے ہیں قابلِ غور بات ہے۔

جہانگیر شاہ جوگیزئی، سینیٹر!

اہم اطلاع

امریکہ، کینیڈا، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب میں ماہنامہ "میثاق" اور ماہنامہ "حکمت قرآن" کا سالانہ زرتعاون جمع کروانے اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل حضرات سے رجوع کیا جاسکتا ہے

امریکہ

Dr. Khurshid A. Malik
810, 73rd Street Downers Grove, ILL.60516
Ph : 312-969-6755, 312-969-6756

کناڈا

Anwar-ul-Haq Qureshi
323 - Rusholme Rd., Apt. 1809
Toronto Ont. M6H 2Z2
Canda.

متحدہ عرب امارات

Mr. S. M. Nasimuddin
P. O. BOX 294 Abu-Dhabi
Ph : 554057, 559181, 325747

سعودی عرب

جدّہ

Mr. M. Asghar Habib
P. O. BOX NO. 167, CC720
Jeddah 21411 Saudi Arabia
Ph : 6721490

ریاض

Mr. Azimuddin Ahmed Khan
P. O. BOX NO. 20249, Riyadh - 11455
Ph : 4544496 - 4462865

الواسع

Mr. Ghulam Mustafa
P. O. Box No. 2464 Al-Wasai Riyadh - 11451
Ph :

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات — ۲۵ سعودی ریال یا -/۱۵۰ روپے پاکستانی

ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر — ۶ امریکی ڈالر یا -/۱۰۰ روپے پاکستانی

یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ — ۹ امریکی ڈالر یا -/۱۵۰ " "

شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ — ۱۲ امریکی ڈالر یا -/۲۰۰ " "

ترسیل زر: ماہنامہ **میثاق** لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ ۱۴ (پاکستان) لاہور

بقیہ: عرضِ احوال

علاوہ بہت سی دوسری باتوں کے وزیرِ اعظم کا حالیہ اعلان ہے جس میں انہوں نے مشنری تعلیمی اداروں کی واپسی کا وعدہ کر کے متعدد حلقوں میں کھلبلی مچا دی۔ تازہ واقعہ جس سے ہمارے چودہ طبق روشن ہوئے۔ درج ذیل قرار داد میں بیان ہو گیا ہے جو مسجد دار السلام لاہور کے بہت بڑے اجتماعِ جمعہ میں ۲۴ جنوری کو منظور کی گئی۔ لہٰذا اُسے دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ متن ہی کافی ہے:-

"نمازِ جمعہ کا یہ اجتماع جنگ فورم میں اعلان کے باوجود جناب احمد دیدات اور ایک عیسائی پادری کے درمیان انجیل کے کلامِ الٰہی ہونے کے موضوع پر مناظرے کی فلم نہ دکھائے جانے پر انتہائی غم و غصّے کا اظہار کرتا ہے۔ نو کروڑ مسلمانوں کے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائی اقلیت کی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر ایک ایسے مناظرے کی فلم کا نہ دکھایا جانا انتہائی افسوس ناک اور خطرناک ہے جو عیسائی دُنیا کے گڑھ میں منعقد ہوا اور جسے پوری عیسائی دنیا میں ٹیلیویژن پر دکھایا جا چکا ہے۔ مقامی انتظامیہ اور پولیس نے جس طرح سے نقصِ امن کے اندیشے کے تحت عیسائیوں کے مطالبے کی حمایت میں ادارہ 'جنگ' پر فلم نہ دکھائے جانے کے لیے دباؤ ڈالا وہ بھی ہماری ملّی غیرت اور دینی عصبیت کے منافی عمل ہے۔ یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ اس واقعے کی تلافی اسی طرح ممکن ہے کہ اس مناظرے کی فلم پاکستان ٹیلیویژن کے تمام اسٹیشنوں سے دکھائی جائے۔ پاکستان کی جملہ اقلیتوں اور خاص طور پر عیسائی اقلیت کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ یہ فلم خالص علمی موضوع پر مبنی ہے اور اسی جذبے کے تحت مغربی دُنیا میں اِسے وسعتِ قلبی کے ساتھ قبول کیا گیا ہے۔ پاکستان میں جس طرح جملہ اقلیتیں امن و سکون اور پوری مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہیں اُس کو دیکھتے ہوئے اِس قسم کے علمی مباحثوں اور مناظروں کو مذہبی منافرت کے نام پر روکنا سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ اِس جارحانہ انداز سے ان چیزوں کو روکنے کی کوشش ملک کی عظیم مسلمان اکثریت کے مذہبی جذبات کو مجروح اور مشتعل کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔"

— ○ —

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع ان شاء اللہ

۴ اپریل تا ۷ اپریل ۱۹۸۷ء

منعقد ہو رہا ہے مقام اور پروگراموں کی تفصیل آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

جوہر
جوشاندہ
نزلہ، زکام، کھانسی کے مریضوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب سفوف کی شکل میں دستیاب ہے۔
جسے اُبالنے چھاننے کی ضرورت نہیں صرف
ایک کپ نیم گرم پانی یا چائے میں ملائیں جوشاندہ
تیار ہے۔
آپ کا صحت شناس
قرشی
نصف صدی سے معیاری
ادویات کا نشان
فی پیکٹ ایک روپیہ

کھانسی، گلے کی خراش، نزلہ زکام کے لیے
زوداثر
سرفی کول
ٹکیاں اور سیرپ
SURFICOL
COUGH SYRUP
آپ کا صحت شناس
قرشی
نصف صدی سے معیاری
ادویات کا نشان

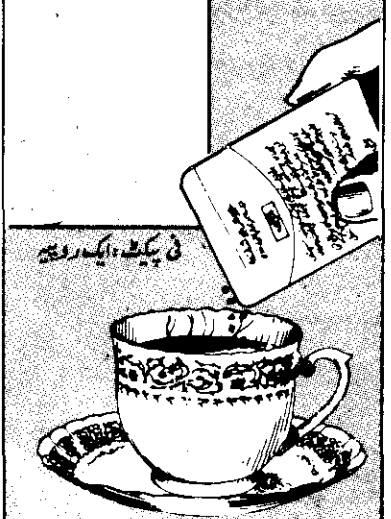

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے اللہ . . . . .

ہم عاجز ہیں ——— تو قوی ہے
ہم ظالم ہیں ——— تو رحیم ہے
ہم گناہ گار ہیں ——— تو بخشنے والا ہے

ہم نے تجھ سے یہ ملک مانگا تھا کہ یہاں تیرے کلمے کو بلند کریں گے
تیری کتاب کے احکامات پر عمل کریں گے
تیرے آخری نبی اور رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کی پیروی کریں گے
لیکن ہم نے ——— اُس عہد کو پامال کر دیا
ہم نے اپنی خواہشات اور مال و دولت کو اپنا معبود بنالیا
ہم تجھے بھول گئے
لیکن تو ہمیں فراموش نہ کر

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

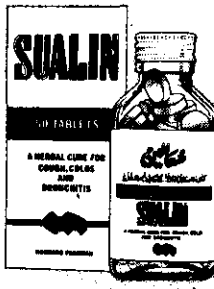

ADARTS-SUA-1/85

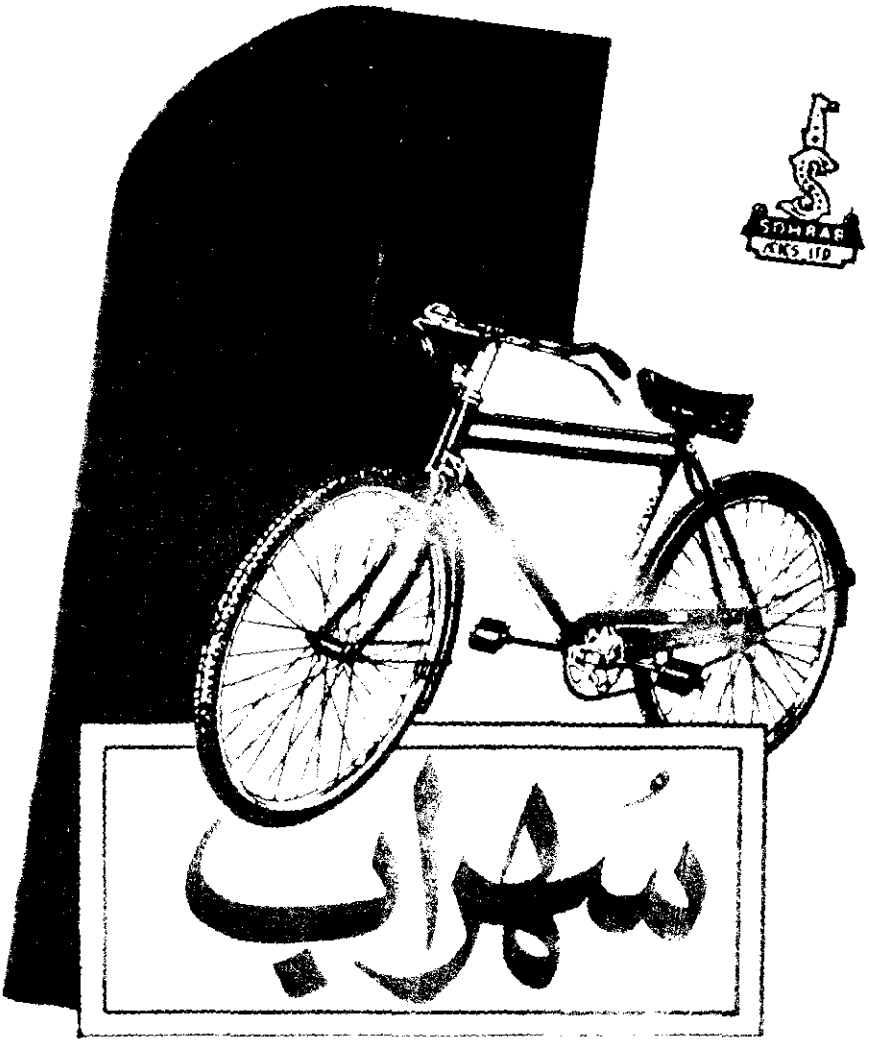
SOHRAB
AKS.110
سُہراب

MONTHLY
MEESAQ
LAHORE

Regd. L. No. 7360
Vol. 36 No. 2
FEBRUARY 1987

مقابل ہے آئینہ

کراچی کی آگ کو بھڑکانے میں کس کس کا — کتنا کتنا حصّہ ہے ؟

سقوطِ مشرقی پاکستان کے پندرہ برس بعد — سندھ کیوں جل رہا ہے ؟

پنجابی سندھی کشمکش — مہاجر پٹھان تصادم کیوں بن گئی ؟

کیا اِس شر میں کچھ خیر بھی ہے ؟

سیاسی محرومیوں، انتظامی بے تدبیریوں، حکمرانوں کے آمرانہ طرزِ عمل، اپنوں کی مہربانیوں اور غیروں کی سازشوں کا — بے لاگ تجزیہ

اصلاحِ احوال کی مثبت تجاویز

امیر تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد** کا تازہ سلسلہ مضامین

استحکامِ پاکستان اور مسئلہ سندھ

کتابی صورت میں دستیاب ہے

ہر دردمند پاکستانی کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے

۱۴۴ صفحات، سفید آفسٹ کاغذ، قیمت صرف ۱۵/- روپے

ملنے کا پتہ : ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۸۳